پچھتاوے

کرنل شفیق الرحمٰن

پچھتاوے

شفیق الرحمن

۱۹۹۵ء

- پچھتاوے

تمہارے متعلق پہلی مرتبہ میں نے کلب میں باتیں سنیں۔ تم پر نکتہ چینی ہو رہی تھی کہ تم انتہا درجے کی خود سر اور خود پسند ہو۔ تمہیں اپنے حسین ہونے پر بے حد ناز ہے تمہیں اپنے ابا کے عہدے پر اس قدر غرور ہے کہ تم کسی سے اچھی طرح بات نہیں کرتی۔ تمہارے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ زہر دکھائی دیتی ہے۔ تمہاری گفتگو طنزیہ آمیز ہوتی ہے۔ تمہارے لباس اس قدر شوخ اور بھڑکیلے ہوتے ہیں کہ ایک لڑکی کو زیب نہیں دیتے۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں۔

نہ جانے میں نے اس ذکر میں کیوں اتنی دلچسپی لی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہاں لڑکیاں نہیں تھیں اور میں نسوانی رفاقت چاہتا تھا۔ سنگلاخ چٹانوں اور سیاہ پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس پُررونق کیمپ میں زندگی کی رفتار کافی تیز تھی، رقص تھے، مسکراتے ہوئے حسین چہرے تھے، موسیقی تھی، آزادی تھی۔ سب کچھ تھا۔

میں وہاں نیا نیا گیا تھا۔ تمہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔ نہ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ پھر بھی تمہارے خلاف باتیں سننے کے باوجود نہ جانے تم سے دلچسپی کیوں ہو گئی۔

اس کے بعد اکثر میں اسی قسم کی باتیں سنا کرتا۔ تمہارے رویے کے متعلق، تمہارے لباس کے سلیقے کے متعلق، تمہارے نظریوں کے متعلق، ہر مرتبہ سخت قسم کی تنقید سننے آتی اور ہر مرتبہ مجھے یہی محسوس ہوتا کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ تم کچھ اور ہو۔ تم بالکل مختلف ہو۔ تمہیں کسی نے سمجھا نہیں۔ لڑکیاں تمہیں بڑا اس لیے کہتی ہیں کہ

وہ تم پر رشک کرتی ہیں اور لڑکے اس لیے کہ تم ان کی پہنچ سے باہر ہو۔
لیکن بعد میں مجھے اس خیال نے کس قدر ستایا کہ کیوں نہ میں اسی ہجوم میں شامل ہو گیا۔ کیوں نہ میں بھی ان کی باتوں میں شریک ہو گیا۔ کیوں نہ میں نے تمہارے خلاف باتیں کر کے تمہیں دیکھنے سے پہلے ہی تم سے نفرت پیدا کر لی۔

اور پھر میں نے تمہیں دیکھا۔ میں پک نک پر مدعو تھا کیمپ سے دور ایک خوشنما کنج میں۔ مجھے بتایا گیا تم بھی آؤ گی اور تم آئی بھی تو کس طرح ساری نگاہیں تم پر جم کر رہ گئیں۔ جب تمہارے ابا مجھ سے تمہارا تعارف کرایا تو میں نے تمہاری ایک جھلک سی دیکھی۔ جہاں تک یاد ہے تم نے مجھ پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی۔ بعد میں تم نے بتایا کہ اس ایک نگاہ میں مجھے اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ میں بے حد افسردہ تھا۔ میری آنکھوں میں اداسی جھلک رہی تھی میرے بال پریشان تھے' میرے کوٹ کے کالر میں ایک مرجھایا ہوا پھول لگا ہوا تھا' حالانکہ اس روز مجھے اداس نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس روز فضا نہایت خوشگوار تھی۔ اونچی چوٹیوں سے خنک ہوائیں آ رہی تھیں۔ نہایت چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑی چشمے گاتی ہوئے بہہ رہے تھی۔ چہرے مسرور تھے' دنیا مسرور تھی۔ ایک سا زندہ رباب بجا رہا تھا۔ نہایت دلکش گت بج رہی تھی۔ نہ جانے کیوں ایک پرانی یاد تازہ ہو گئی جب رات گئے ایک اجنبی ملک کے کیفے میں تنہا بیٹھا تھا۔ رباب پر بالکل ایسی ہی گت بج رہی تھی۔ مدھم روشنیوں میں ہلکا ہلکا معطر دھواں پھیلا ہوا تھا۔ رقاصہ نے مجھے دیکھا اور میرے سامنے آ گئی۔ جب تک رباب بجتا رہا وہ مجھے دیکھتی رہی اور رقص کرتی رہی۔ پھر وہ میرے ساتھ آ بیٹھی اور باتیں کرنے لگی۔ وہ اپنے محبوب کے لیے غمگین تھی۔ وہ اسی میز پر بیٹھ کر اسی طرح سے اسے دیکھا کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھتی کہ کہیں اپنا نام تو نہیں چھپا رہا ہوں؟ کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہا ہوں۔ اس یاد نے مجھے اداس کر دیا۔ ایک واقف نے کئی مرتبہ مجھے ٹوکا اور میں نے کئی مرتبہ مسکرانے کی کوشش

بھی کی۔ قریب ہی کسی پرانے قلعے کے کھنڈر تھے۔ انہیں دیکھنے گئے۔ کئی مرتبہ سیڑھیوں پر اترتے چڑھتے میرا تمہارا آمنا سامنا ہوا' لیکن میں تمہیں بالکل نہ دیکھ سکا۔ بس اتنا احساس ہوا کہ تم قریب سے گزر گئی ہو۔ جب تم ایک اونچے سے پتھر سے اترنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہیں بازو سے سہارا دیا تو تمہاری ایک جھلک پھر دیکھی۔ اس مرتبہ تمہاری پیشانی پر دہکتی ہوئی بندی میری آنکھوں کے سامنے کو مذکر رہ گئی۔ جب تم قریب سے گزر رہی تھیں تو میں نے وہ پھول دیکھے جو تمہارے بالوں میں لگے ہوئے تھے۔

ہلکی سی خوشبو کا ایک جھونکا آیا اور چلا گیا۔

وہ دن میں نے تمہارے قریب گزارا پھر بھی میں تمہارا چہرہ اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔

تم نے بعد میں بتایا کہ اس روز میری افسردگی نے تمہیں متوجہ کر لیا تھا اور دن بھر تمہیں میرا خیال رہا۔

اس کے بعد کسی نا معلوم کشش سے ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔ ہر روز کوئی واقعہ یا کوئی اتفاق ہمیں ملا دیتا۔ میں نے دیکھا کہ تمہارے چہرے پر وقار ہے' تمکنت ہے۔ بعض اوقات تو تم مغرور دکھائی دیتیں۔ تم سب سے الگ تھلگ رہتیں۔

خواہ اسے خود پسندی کہا جائے یا خود سری' لیکن تم میں انفرادیت ضرور تھی۔ تم ان سب لڑکیوں سے مختلف تھیں' ان سب میں نمایاں تھیں' سب سے حسین تھیں اور حسین بھی ایسی کہ تمہارے حسن میں بھیایک انفرادیت تھی۔

تم جتنی حسین تھیں اتنا ہی خوشنما چیزوں سے تمہیں پیار تھا۔ تمہیں رنگوں کی تمیز تھی' رنگوں سے کھیلنا آتا تھا۔ تم جو لباس پہنتیں نگاہوں میں کھب کر رہ جاتا۔ یوں معلوم ہوتا کہ تمہارا لباس ماحول کے مطابق نہیں' بلکہ تمہارے لباس سے رنگ لیتا ہے۔

ایک روز گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر آ رہی تھیں' بادل جھوم رہے تھے۔ میں نے دیکھ تم اودے لباس میں ملبوس تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تم فضا کا ایک حصہ ہو۔ ایک اداس شام کو تمہیں دیکھا۔ جھکڑ چل رہے تھے' سوکھے ہوئی پتے آ رہے تھے' آسمان پر غبار چھایا

ہوا تھا۔ تم نے خزاں کے خشک پتوں کے رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ پھر ایک اندھیری رات کو تمہیں دیکھا۔ چاند سیاہ بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ کبھی کبھی بادل کا کوئی کونا چمک اٹھتا۔ تمہارے سیاہ دوپٹے میں روپہلی گوٹا جھلمل جھلمل کر رہا تھا اور کائنات کا سارا نور تمہارے چہرے میں سما گیا تھا۔

ایک دفعہ چاروں طرف بہار آئی ہوئی تھی۔ نئی نئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں' خشک پہاڑوں پر سبزہ اگ رہا تھا' درختوں پر عشق پیچاں کی بیلیں بل کھاتی ہوئی چڑھ رہی تھیں۔ جدھر نظر جاتی تھی سبز ہی سبز رنگ دکھائی دے رہے تھے۔ تم ملنے آئیں تو تمہارے لباس میں ہلکے' گہرے' شوخ لہریے تھے' سب ہرے رنگ کے۔

پھر ایک رات پارٹی میں آتش بازی تھی۔ رنگ برنگے قمقموں کی قطاریں تھیں اور مچلتی ہوئی روشنیاں۔ تمہارے لباس میں اس رات کتنے رنگ تھے۔ تم دہکتا ہوا تڑپتا ہوا شعلہ معلوم ہو رہی تھیں۔ تمہارے آویزے دو انگارے دکھائی دے رہے تھے' تمہارا ہار چنگاریوں سے پرویا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اور پھر وہ خوشبو کا جھونکا جو تمہارے ساتھ آیا کرتا۔ وہ خوشبو بھی وقت اور موقعے مطابق ہوتی۔ تم نے کبھی تیز خوشبو نہیں لگائی۔ بس ایسی مدھم سی خوشبو جو ہوتی بھی اور نہیں بھی ہوتی۔ صبح کو تم ایسی ہلکی ہلکی خوشبو لگاتیں جیسے غنچے چٹک رہے ہوں' پھول جاگ رہے ہوں' شبنم کے قطرے سورج کی پہلی کرن سے جھلمل جھلمل کر رہی ہوں۔ دوپہر کو شوخ خوشبو ہوتی جس میں تیز کرنوں کی تمازت' جاگی ہوئی کائنات کا ہنگامہ' چنچل پن' چھیڑ' قہقہے اور شوخیاں ہوتیں۔ شام کو ایسی خوشبو آتی جیسے تھکے پھولوں سے آ رہی ہو۔ ایسے پھولوں سے جو سورج کو دیکھ دیکھ کر تھک گئے ہوں' جو تتلیوں کے بوسوں سے تھک گئے ہوں' جو ہوا کے جھونکوں سے جھوم جھوم کر تھک گئے ہوں۔ رات کو تم ملتیں تو ایسی نشہ آور اور مخمور کن خوشبو اپنے ساتھ لاتیں کہ آنکھیں نیند کے خمار سے بوجھل ہو جاتیں' چاند چاندنی مدھم پڑ جاتی' ہوا کے جھونکے رک جاتے۔

ہم دونوں ایک درمیان اجنبیت جوں کی توں تھی۔ وہ کھنچاؤ بدستور تھا۔ تم مجھ سے اتنی ہی دور تھیں جتنی ملاقاتوں سے پہلے۔ پھر وہ شام آئی۔ کلب میں رقص تھا۔ جہاں سب نے بھڑکیلے اور رنگین لباس پہن رکھے تھے وہاں تمہارا ملبوس ملگجے رنگ کا تھا۔ اس رات چودھویں کا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ شاید تم نے چاندنی رات کا لباس پہنا تھا۔ اس لباس نے تمہیں اس قدر نمایاں کر دیا کہ سب کن انکھیوں سے تمہیں بار بار دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں ایک گوشے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میرا دل آنے والے حادثے کے خیال سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں طلوع ماہتاب کا ذکر کر رہا تھا۔ باغ میں حوض کے کنارے وہ لمبا سا درخت، جس میں نہ پتے تھے نہ پھول، بس پتلی پتلی سوکھی ہوئی ٹہنیاں تھیں۔ چودھویں کا چاند ہمیشہ اس درخت کے پیچھے سے طلوع ہوتا۔ باہر نکلتے ہی جیسے ٹہنیوں میں الجھ کر رہ جاتا اور درخت کی چوٹے تک پہنچنے اور آسمان میں تیرنے کے لیے اسے کافی دیر لگتی۔ حوض میں چاند اور درخت دونوں کا عکس پڑتا۔ میں تمہیں یہ نظارہ دکھانا چاہتا تھا۔

جب موسیقی شروع ہوئی اور لوگ رقص کرنے لگے تو میں نے باہر چلنے کو کہا اور تم مان گئیں۔ ہم باہر نکل آئے۔ جب روشن سڑکوں کو چھوڑ کر تاریک گوشوں میں داخل ہونے لگے تو تم ٹھٹک گئی، چلتے چلتے رک گئی۔ تم نے کچھ دیر سوچا بھی۔ میں نے اصرار کیا اور تم میرے بازو کا سہارا لے کر پودوں کے تختوں میں ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ چاند ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ اونچے اونچے درخت بالکل خاموش کھڑے تھے۔ ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی مدھم روشنی میں ایک نہایت تاریک کنج آیا اور نہ جانے کیوں کہ تم میرے بازوؤں میں آ گئیں۔

تم میرے سینے سے لگی ہوئی تھیں اور میں سرگوشیوں میں نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ باتیں جن کے متعلق میں نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا جو میں ویسے کبھی نہ کہتا، جن کی اہمیت کا مجھے اندازہ نہ تھا۔

چاند طلوع ہوا اور کرنوں سے تمہارا چہرہ جگمگا اٹھا۔ تمہارا ملگجا لباس اور چاند چاندنی گھل مل کر رہ گئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم چاندنی کی پہلی کرن کے ساتھ زمین پر اتری ہو۔ موسیقی کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ بڑی پیاری دھن بج رہی تھی۔ جب تم میرے بازوؤں میں سمٹی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھیں' تو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ تم ہی ہو۔ تم جو کہ اتنی مغرور شوخ اور خود سر تھیں۔ جس کے قرب کے لیے وہاں سب ترستے تھے' جو چند لمحے پیشتر مجھ سے اتنی دور تھیں جتنے آسمان کے تارے۔ اور تم خود وہاں آئی تھیں' وہ شام زندگی کی رنگین ترین شاموں میں سے تھی' لیکن بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ شام بہت جلد آ گئی۔ میں نے بہت جلد وہ سب کچھ کہہ دیا۔ مجھے ابھی کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے تھا۔ کاش کہ میں نے اتنی جلدی نہ کی ہوتی۔ جب تم میرے ساتھ چلتے چلتے اس تاریک گوشے میں ٹھٹھک کر رہ گئی تھیں۔ ہم وہیں سے واپس لوٹ آتے۔ کاش کہ میں نے اتنی جلدی وہ سب کچھ نہ کہا ہوتا۔

اس کے بعد تم میری دنیا پر چھا گئیں' میرے دل دماغ میں بس گئیں۔ تمہیں پھول پسند تھے اور مجھے پھولوں کا خبط ہو گیا۔ ہر روز طرح طرح کے پھول چن کر تمہارے لیے لاتا۔ جب آس پاس کے پھول باسی ہو گئے تو دور دور سے پھول لانے لگا۔ ویرانوں کے اداس پھول' ندیوں کے کناروں پر جھومتے ہوئے پھول' چٹانوں میں اگے ہوئے اکے دکے پھول' اونچے اونچے پودوں میں شرارتاً چھپے ہوئے پھول۔ دور دور تک جتنے باغ تھے میں نے اجاڑ دیے۔ اور تمہیں پھولوں کی زبان آتی تھی۔ ایک دفعہ تم خفا تھیں' تم نے مجھے زرد پھول بھیجے جن سے نفرت عیاں تھی۔ میں کچھ روز تمہارے ہاں نہیں گیا' تم نے نرگس کے پھول بھیجے اور مجھے یقین ہو گیا کہ تم میرا انتظار کر رہی ہو۔ ایک روز تم نے مجھے کہیں لڑکیوں کے جھرمٹ میں دیکھا' جن سے میں ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ تم نے ایک گلدستہ بھیجا جس کے وسط میں ایک شوخ پھول تھا اور چاروں طرف کلیاں تھیں۔ تم مجھے ہرجائی کہنا چاہتی تھیں جب میں نے ایک روز چھیڑ کے طور پر ایک

گلدستہ بھیجا جس میں ایک کلی شوخ پھولوں سے گھری ہوئی تھی تو تم نے سفید غنچے بھیجے۔ ان سفید غنچوں میں سادگی تھی، معصومیت اور عفت تھی ایک مرتبہ میں تم سے روٹھ گیا تو سرخ پھول آئے۔ ان پھولوں کے پیغام کہ میں سمجھ گیا۔ اس میں محبت کی حدت تھی۔

پھر مجھے کچھ عرصے کے لیے باہر جانا پڑا۔ گھڑ گن کر یہ ناخوشگوار وقفہ تمام ہوا۔ واپس لوٹا تو تم میں کچھ تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ شاید یہ واہمہ تھا، لیکن تمہارے رویے میں کچھ روکھا پن تھا، بے توجہی سی تھی۔ ایک شام کو ہم اسی کنج میں ملے۔ میں نے خط نہ لکھنے کی شکایت کی۔ تم بولیں لکھنے کو جی تو چاہتا تھا، بس یہی سوچتی رہی کہ القاب کیا لکھوں لیکن میری اس سے تسلی نہ ہوئی۔ شاید یہ رد عمل تھا! تم نے کلب میں آنا کم کر دیا۔ تم وہاں آنے سے گریز کرنے لگیں جہاں میرے آ سکنے کا امکان ہوتا۔ ایک صبح مجھے باہر جانا تھا۔ رات بھر بارش ہوتی رہی تھی اور پہاڑی راستوں پر پانی بہہ رہا تھا۔ تمہارا ملازم آیا، تمہارا پیغام لے کر کہ موٹر آہستہ آہستہ چلانا۔ اس خیال نے مجھے دن بھر مگن رکھا کہ تم میرے متعلق سوچتی رہی ہو۔ ایک روز معلوم ہوا کہ میرے تبادلے کے احکامات آئے تھے اور تم نے اپنے ابا سے کہہ کہ منسوخ کر دیے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ تم بولیں۔ بس یونہی۔

پھر ایک روز تمہارے ہاں مہمان آئے، ان میں تمہارا منگیتر بھی تھا۔ ایک سال پہلے تم نے خود اسے چنا تھا۔ وہ ایک مخلص اور حساس سا لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ تم نے اس کی دی ہوئی انگوٹھی پہن رکھی تھی اور میں تم دونوں کو اکٹھے دیکھا کرتا۔ مجھ سے تمہاری بے رخی بڑھتی گئی۔ تمہارے ہاں میرا آنا جانا کم ہوتا گیا۔ تم نے بھی مجھے بلانا چھوڑ دیا۔ ایک سہ پہر کو تم تنہا مل گئیں۔ تم بے حد مسرور تھیں۔ میرا خیال تھا کہ میرے نہ آنے کی وجہ پوچھو گی۔ شاید تمہیں کچھ افسوس ہو گا، شاید تم شکایت کرو گی۔ لیکن تم نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ آخر میں نے خود تمہیں کو باغ میں تنہا بلایا۔ تم

ٹال گئیں۔ میں نے تمہاری بے رخی کا شکوہ کیا تو تم نے بڑی سرد مہری سے کہا کہ تمہاری طبعیت ہی کچھ ایسی ہے۔ تم نے تین چار لڑکیوں کے نام لے لے کر مجھے چھیڑنا شروع کر دیا۔ میں تم سے کسی اور قسم کی گفتگو کرنا چاہتا تھا' لیکن تم دانستہ طور پر اکھڑی اکھڑی باتیں کرتی رہیں۔ اس کے بعد میں تمہارے ہاں عرصے تک نہیں گیا۔ ویسے سنا کرتا کہ آج تم اپنے منگیتر کے ساتھ آئی تھیں۔ آج تم کہیں مدعو تھیں۔ آج تم دونوں نے لوگوں کو بلایا ہے' آج تم بے حد خوش تھیں یہ سن سن کر میں کتنا اداس ہو جایا کرتا۔ نہ کہیں باہر جاتا' نہ کسی سے ملتا' وقت گزارنا محال ہو گیا۔

پھر ایک روز سنا کہ تمہارے ابا کا دور تبادلہ ہو گیا ہے اور چند دنوں تک وہ چلے جائیں گے۔ کلب میں الوداعی پارٹی ہوئی۔ میں اس پارٹی میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ شام کہیں باہر گزارنا چاہتا تھا' لیکن اتفاق سے راستے میں تمہارے ابا مل گئے اور مجھے ان کے ساتھ جانا پڑا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ آج کلب میں لڑکیوں کے ساتھ خوب ہنسوں گا' چہلیں کروں گا' انہیں چھیڑوں گا' ان کے ساتھ رقص کروں گا۔ تمہاری طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔ ان میں سے چند ایک مجھے پسند بھی کرتی تھیں۔ اتفاق سے اس رات چاند کی چودھویں بھی تھیں اور میں آسانی سے کسی لڑکی کو طلوع ماہتاب دکھانے کے بہانے باغ میں لے جا سکتا تھا' لیکن تمہیں دیکھ کر نہ جانے کیا ہو گیا۔ میں ایک کونے میں تنہا جا بیٹھا۔ بس بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ تم جا رہی ہو۔ شاید اب تمہیں کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ تم کئی دفعہ قریب سے گزریں۔ میز پر میرے برابر بیٹھیں مگر میں بالکل خاموش تھا۔ پھر تم نے مجھے بتایا کہ تم جا رہی ہو۔ تم نے یہ بھی کہا کہ کل شام کو میں تمہیں کہیں ملوں۔ میں لگا تار خاموش رہا۔ اس رات میں نے نہ لڑکیوں سے بات کی' نہ رقص میں شامل ہوا بلکہ بہت جلد لوٹ آیا۔

اگلے روز میں کہیں نہیں گیا۔ مجھے کسی نے بتایا کہ تم کلب میں آئی تھیں۔ حوض کے کنارے دیر تک بیٹھی رہیں۔ تمہیں کسی کا انتظار تھا۔ پھر تمہارا ملازم پیغام لایا کہ

تم رات کو چلی جاؤ گی۔ تم نے شام کو مجھے بلایا تھا' اپنی کوٹھی کے عقب درختوں کے جھنڈ میں' لیکن میں نہیں گیا۔ میں رات کو تمہارے ابا سے بھی نہیں ملا۔ اور تم چلی گئیں میں ایک اونچے ٹیلے سے اس سڑک کو دیکھ رہا تھا جو سیدھی ان پہاڑوں کی طرف جاتی تھی جن میں سے چاند طلوع ہو رہا تھا۔ سڑک یوں چمک رہی تھی جیسے چاندی کا تار۔ پھر تمہاری کوٹھی سے نکلتی ہوئی کار نظر آئی' جو بل کھاتی ہوئی سڑک اور پہاڑوں میں گم ہو گئی۔ بعد میں جب کبھی پہاڑوں سے چاند طلوع ہوتا اور سڑک چمک اٹھتی تو مجھے وہ رات یاد آ جاتی جب تم نے مجھے بلایا تھا اور میں نہیں گیا۔ جب تم میرا انتظار کرتے کرتے چلی گئی تھیں۔

چند ماہ کے بعد سنا کہ تمہاری منگنی ٹوٹ گئی اور تمہارے منگیتر نے کسی اور لڑکی سے شادی کر لی۔ مجھے بہت دنوں تک یہی افسوس رہا کہ شاید اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ میری وجہ سے ٹوٹ گیا۔ کاش کہ میں اس رات اس قدر اداس نہ ہوتا۔ اس رات لڑکیوں سے خوب کھیلتا' رقص کرتا اور تم پر ظاہر کر دیتا کہ میں جھوٹا ہوں' ہرجائی ہوں اور مجھے تمہاری اتنی سی پروا نہیں ہے۔

نہ جانے کیوں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم خط لکھو گی۔ ہر روز تمہارے خط کا انتظار رہنے لگا' لیکن خط نہ آیا۔ جب کچھ عرصے کے بعد بالکل نا امید ہو گیا تو میں نے تمہارے پرانے ملازم کو کسی بہانے تمہارے ہاں بھیجا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ تم وہاں بے حد خوش رہتی ہو۔نتم مصوری سیکھ رہی ہو۔ اور یہ کہ تمہیں میرا پیغام ملا تو تم نے ہنس کر موضوع بدل دیا۔ اس کے بار بار پوچھنے پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تم نے میرے بھیجے ہوئے تحفے واپس لوٹا دیے۔ تم نے صرف اتنا کہا کہ تم خط و کتابت میں سست ہو۔ دن گزرتے گئے وہاں سے میرا تبادلہ ہو گیا۔ سفر کرتے ہوئے میں صحرا سے گزر رہا تھا کہ ایک جگہ تمہارے ابا مل گئے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ ایک دو دن ان کے ساتھ گزاروں۔ تمہاری چھٹیاں تھیں اور تم بھی وہاں آئی تھیں۔ تم بڑی طنزیہ

مسکراہٹ کے ساتھ ملیں۔ تم نے مجھے کئی لڑکیوں کے نام لے کر چھیڑا میرا مذاق اڑایا۔ تمہاری باتوں میں زہر تھا۔ دیر تک تم کچوکے لگاتی رہیں۔ رات بھر مجھے نیند نہ آئی' غصے سے تلملایا کیا۔ صبح صبح تم تنہا مل گئیں اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے تمہیں سنگ دل' بے وفا کہا۔ بے مروت' مغرور' خود غرض اور نہ جانے کیا کیا کہا اور تم چپ چاپ سنتی رہیں' حتیٰ کہ میرے پاس الفاظ نہ رہے۔ جب میں سب کچھ کہہ چکا تو تم چلی گئیں۔ میں اسی روز جانا چاہتا تھا کہ' لیکن تمہارے ابا نہ مانے۔

شام کو میں برآمدے میں بیٹھا تھا۔ دور ریت کے ٹیلوں میں ایک نخلستان تھا جہاں کھجور کے درخت ایک جھیل پر جھکے ہوئے تھے۔ آسمان میں چند دنوں کا نکلا ہوا پتلا سا چاند چمک رہا تھا۔ خوشبو کا ایک جھونکا آیا اور تم آ گئیں۔ سولہ سنگار کیے ہوئے' ایسی سج دھج کے ساتھ کہ تم پر نگاہیں نہ جمتی تھیں۔ تمہارے چہرے پر نرالا روپ تھا۔ تمہارے رخساروں پر صبح صادق کی جلا تھی' لیکن آنکھوں میں پشیمانی۔ تم مجھ سے کچھ مانگنے آئی تھیں۔ تم اتنی پیاری لگ رہی تھیں کہ اس وقت اگر جان مانگتیں تو میں وہ بھی قربان کر دیتا۔ تم نے مجھ سے مانگا بھی تو کیا معافی۔

جب میں تمہاری نئی تصویر کی تلاش میں تمہارے کمرے میں گیا تو ایک چھوٹے سے چمڑے کے بٹوے میں میری کچھ چیزیں ملیں۔ میری تصویریں' میرے رومال اور ایک سگریٹ کا جلا ہوا ٹکڑا۔ پوچھنے پر تم نے بتایا کہ اس شام حوض کے کنارے اسی کنج میں میں نے سگریٹ کا ٹکڑا پھینک کر پاؤں سے کچل دیا تھا۔ تم نے اسے اٹھا کر رکھ لیا۔

پھر ہم ریت پر چلتے گئے۔ دور دور تک ریت کے رو پہلے ٹیلے سوئے ہوئے تھے۔ نخلستان آیا۔ جھیل کا پانی ساکن تھا۔ کھجور کے لمبے لمبے درخت چپ چاپ کھڑے تھے۔ جب تم میرے شانے سے سر لگائے باتیں کر رہی تھیں تو میں سب گلے شکوے بھول چکا تھا۔ مجھے وہ طویل اور تلخ وقفہ بھی بھول گیا تھا جو ہماری دونوں ملاقاتوں کے درمیان آ چکا تھا۔ میں وہی باتیں دوہرا رہا تھا جو پہلے کی تھیں۔

تب مجھے محسوس ہوا کہ وہ الفاظ بہت سخت تھے جو میں نے تم سے کہے تھے۔ وہ انداز تکلم نہایت تلخ تھا۔ مجھے کیا حق تھا‘؟ میں نے یونہی وہ سب کچھ کہا اور پھر تم چپ چاپ سنتی رہیں۔ تم سامنے سے ایک دفعہ بھی تو نہیں بولیں۔ کاش کہ میں نے ذرا ضبط سے کام لیا ہوتا۔ کاش کہ میں نے وہ ناگوار الفاظ نہ کہے ہوتے۔ مدتون اس خیال نے پشیمان رکھا۔

تم نے خط لکھنے کے وعدے کیے تھے۔ یہ بھی کہا تھا کہ اپنی کسی سہیلی کی معرفت میرے خط منگوایا کرو گی اور یہ کہ میں تمہارے کالج میں ملنے آؤں۔ تمہیں میرا انتظار رہے گا۔ ہفتے گزرے‘ لیکن تمہارا خط نہ آیا۔ کسی نے بتایا کہ تم رقص سیکھ ہی ہو۔ تم نے کئی نئے ساز سیکھے ہیں۔ تم نہایت مسرور رہتی ہو۔ میں افسردہ ہو گیا۔ شاید میں مہین مسرور نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ شاید تمہاری خوشیوں سے مجھے رنج پہنچتا تھا۔ تمہارے کالج میں تم سے ملنے گیا۔ اطلاع بھجوائی‘ تم کلاس کے بعد بھی نہ آئیں۔ میں نے پھر کہلوایا۔ دیر تک انتظار کرتا رہا۔ تم ذرا سی دیر کے لیے آئیں اور یوں ظاہر کیا جیسے تمہیں میرے آنے پر بالکل خوشی نہیں ہوئی۔ میں نے شکایتیں کیں تو تم نے فوراً موضوع بدل دیا۔ میں نے کہا کہ سہ پہر کو کہیں اکٹھے چاء پیئں‘ تم نے انکار کر دیا۔ میں نے دوبارہ ملنے کے لیے پوچھا تم نے نفی میں جواب دیا۔ پھر تم نے مزید انتظار کرایا۔ کالج کا وقت ختم ہونے تک تمہاری راہ تکتا رہا۔ تم آئیں تو تمہاری یہ کوشش تھی کہ کہیں تمہاری سہیلیاں مجھے تمہارے ساتھ نہ دیکھ لیں۔ بڑی تیزی سے ہم نے وہ میدان عبور کیا۔ اور جب ہم سائیکلوں پر جا رہے تھے تو میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ تم ہر چوک پر چاہتی تھیں کہ میں کہیں چلا جاؤں۔ ایک دو دفعہ تم نے کہا بھی پھر ایک موڑ پر تم بغیر کچھ کہے ایک طرف مڑ گئیں۔ میں دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ تم نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ میں حیران رہ گیا۔ تم سے ایسے رویے کی ہر گز توقع نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ پھر کبھی تم سے نہیں ملوں گا۔ تمہارا خیال

چھوڑ دوں گا تمہیں بالکل بھلا دوں گا۔

اس کے بعد میں ایسی جگہ تھا جہاں ہر وقت بارش ہوا کرتی۔ جہاں اس قدر تنہائی تھی کہ نہ زندہ رہنے کی خوشی تھی نہ افسوس۔ سب صبحیں ایک سی تھی اور سب شامیں ایک جیسی۔ پھر ایک روز تمہارا خط ملا۔ یہ تمہارا پہلا خط تھا۔ تم نے میرا پتہ بالکل صحیح لکھا تھا' تم جانتی تھیں کہ میں کہاں ہوں۔ خط میں القاب نہیں تھے۔ تم نے اپنا پروگرام لکھا تھا کہ اپنی کسی پروفیسر اور سہیلیوں سے ملنے دار جیلنگ جا رہی ہو۔ تم نے مجھے بلایا تو نہیں تھا' لیکن اپنے جانے کی تاریخ اور ٹرین کا وقت لکھا تھا۔ میں ہر گز نہ آتا' اگر اس قدر اداس اور تنہا نہ ہوتا۔ شاید یہ دلدوز تنہائی تھی جس نے مجبور کر دیا۔ میں نے چھٹی لی۔ وقت تھوڑا رہ گیا تھا اور ریل کے سفر میں لمبا چکر کاٹنا پڑتا تھا۔ میں نے کچھ راستہ موٹر سے طے کیا' کچھ سٹیمر سے اور کچھ پیدل۔ تم سٹیشن پر مجھے ڈھونڈ رہی تھیں۔ نہ ہم نے آپس میں باتیں کیں' نہ ایک دوسرے کو دیکھا بس نیچی نظریں کیے ٹرین میں بیٹھے رہے۔ دارجیلنگ پہنچے تو تمہاری سہیلیاں منتظر ملیں۔ یہ وہی لڑکیاں تھیں جن کو میں نے تمہارے کالج میں دیکھا تھا جن کے سامنے تمہیں میرے ہمراہ چلنے میں بھی احتراز تھا۔ ان سے تم نے میرا تعارف کرایا' لیکن تم میرا نام لینے سے گریز کرتی رہیں۔

شام کو تم سے ملنے گیا۔ بادل نیچے اتر آئے تھے اور ہلکی ہلکی دھند پھیلتی جا رہی تھی۔ بوندیں پڑنی شروع ہو گئیں اور ہم زیادہ دور نہ جا سکے۔ ایک کیفے میں موسیقی سنتے رہے پھر پکچر دیکھی جب رات گئے واپس آ رہے تھے تو بالکل خاموش تھے۔ وہ جگہ آئی جہاں تمہاری پروفیسر کے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔ میں منتظر تھا کہ تم اس طرف کا رخ کرو گی اور میں تمہیں چھوڑ آؤں گا ' لیکن تم اس راستے پر نہیں مڑیں۔ ہم اکٹھے چلتے گئے حتی کہ میرا ہوٹل آ گیا۔ میرا کمرہ اوپر تھا۔ سامنے چھوٹی سی بالکنی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ہم دونوں خاموش سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یکایک تمہاری آنکھیں

نمناک ہو گئیں۔ تم نے سر جھکا لیا اور آنسو پونچھنے لگیں۔ میں تمہارے قریب ہو گیا اور تم خود میری آغوش میں آ گئیں۔ ٹین کی چھت پر ٹپ ٹپ بوندیں گر رہی تھیں۔ بادل اندر آ گئے۔ بڑھتی ہوئی دھند نے ہمیں یوں گھیر لیا کہ فضا میں فقط ہم دو رہ گئے۔ تم اور میں۔

بارش تیز ہوتی گئی' بادل گرجتے رہے' بجلیاں چمکتی رہیں۔ ٹین کی چھت پر بوندیں شور مچاتی رہیں۔ بڑھتی ہوئی دھند میں ہم ایک دوسری کو ٹکٹکی باندھی دیکھتے رہے۔ جب بارش تھمی تو میں تمہیں چھوڑنے گیا۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ رخصت ہوتے وقت تم نے بڑے پیارے انداز سے اپنی ہتھیلیاں ملا کر سر کی جنبش سے مجھے سلام کیا۔ اتنی محبت سے تم نے پہلی مرتبہ مجھے سلام کیا تھا۔

پھر نہایت چمکیلا اور روشن دن طلوع ہوا۔ تم مجھے لینے آئیں۔ تم نے قوس قزح کے رنگوں کے ساڑی پہن رکھی تھی۔ تمہارے گلے میں ایک شوخ رومال تھا۔ کانوں میں رنگین آویزے تھے۔ تمہارے چہرے پر بلا کی چمک دمک تھی۔ تم نے اصرار کیا کہ میں بھی شوخ لباس پہنوں۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ فضا نکھری ہوئی تھی۔ نہایت چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور دور دور کے پہاڑ اور وادیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہم دونوں بچوں کی طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس مسحور کنخطے میں پھر رہے تھے جہاں کا گوشہ گوشہ طلسم زدہ معلوم ہو رہا تھا۔ ہم باغ کے اس حصے میں گئے جہاں شیشے کی دیواروں میں شیشے کی چھتوں کے نیچے لا تعداد پھول کھلے ہوئے تھے۔ قسم قسم کے' رنگ رنگ کے' طرح طرح کے' سادے' رنگین' معطر پھول مسکرا رہے تھے' شرما رہے تھے' پھول متحیر تھے' پھول کچھ سوچ رہے تھے' پھول قہقہے لگا رہے تھے۔ تم اپنے شوخ میں اس رنگین ماحول میں کچھ اس طرح کھو گئیں کہ چند تتلیاں پھولوں کو چھوڑ کر تمہارے گرد طواف کرنے لگیں۔ تم نے مجھ سے کہا کہ چند پھول تمہارے بالوں میں لگا دوں۔ جب میں انہیں تمہارے بالوں میں سجا رہا تھا تو نہ جانے کیوں تمہاری پلکیں جھک گئیں اور تمہارا چہرہ تمتما اٹھا۔

اگلی صبح میں تمہیں لینے گیا تو تم اکیلی بیٹھی کچھ لکھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر تم نے وہ کاغذ چھپا لیا۔ میں نے دیکھنے کے لیے اصرار کیا' تم نہ مانیں۔ میں نے کاغذ چھین لیا۔ اس پر تم نے کئی جگہ ایک نیا لکھا تھا' اپنے اور میرے نام کو ملا کر۔

چلتے وقت میں نے تمہیں یاد دلایا کہ تم بندی لگانا بھول گئی تھیں۔ تم آئینے کے سامنے گئیں' پھر تمہیں کچھ خیال آ گیا اور تم نے مجھ سے کہا کہ میں لگا دوں۔ جب میں نے تمہاری پیشانی پر سرخ دہکتی ہوئی بندی لگائی تو تمہاری نگاہیں جھک گئیں۔ چہرہ گلابی ہو گیا۔ تم نے پلو سر پر کھینچ لیا۔

ہم چیڑ کے جنگل سے گزر رہے تھے' جہاں اونچے اونچے درخت سر ملائے کھڑے تھے۔ ٹہنیوں اور پتوں سے چھنتی ہوئی کرنیں زمین پر طرح طرح کے نقوش بنا رہی تھیں۔ روشنی اور سایوں کا یہ امتزاج نہایت دل آویز تھا۔ دیر تک ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے یوں چلتے رہے جیسے راستہ بھول گئے ہوں۔ جنگل ختم ہوا تو ایک نہایت خوشنما آبشار آئی۔ پانی بڑی بلندی سے گر رہا تھا۔ دور دور تک پھوار اڑا رہی تھی۔ ہم ایک پتھر پر بیٹھ کر پھوار میں بھیگنے لگے۔ سامنے نہایت وسیع وادی تھی جس پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ دیکھتے دیکھتے ہوا کے تیز جھونکوں سے دھند چھنٹ گئی اور کنچن چنگا نظر آنے لگی۔ وہ نظارا ایسا تھا کہ سب سیاح مرعوب ہو کر رہ گئے اور خاموشی سے برف کی جھلملل کرتی ہوئی اس خوشنما دیوار کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے جو آسمان کو چھو رہی تھی۔ دھند پھر آ گئی اور چوٹی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

راستے میں میرا ایک امریکن دوست مل گیا' جس نے تمہاری طرف اشارہ کر کے کچھ زیر لب پوچھا۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس سے تمہارا تعارف کرایا۔ ہم تینوں باتیں کرتے رہے۔ ایک جوہری کی دکان پر وہ کچھ خرید رہا تھا۔ تمہاری خالی انگلیاں دیکھ کر میں یونہی انگوٹھیوں کی باتیں کرنے لگا۔ تم نے بتایا کہ تمہیں سادی انگوٹھی پسند ہے۔ ایسی جس میں نہ نگ ہو نہ نام لکھا ہو۔

نہ کسی زنگ کی آمیزش ہو۔ بس بالکل سادی ہو۔ تم کسی معمولی انگوٹھی کا ذکر ہر گز نہیں کر رہی تھیں بلکہ ایسی انگوٹھی کا جو ایک خاص موقعے پر پہنی جاتی ہے۔ پھر میرے امریکن دوست نے پوچھا کہ تم میرا نام کیوں نہیں لیتیں؟ تم نے آہستہ سے کہا نام نہیں لیا کرتے۔

اس وقت تمہارے چہرے پر ایسی جھلک نظر آئی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی' جس میں اعتماد تھا' معصومیت تھی' تقدس تھا اور ایک پیغام۔

جب میرا دوست مجھے پھر ملا تو اس نے تمہاری بڑی تعریف کی۔ اس نے بتایا کہ حسین ہونے کے علاوہ تم نے ایک خاص جاذبیت ہے۔ تمہاری رگ رگ میں زندگی کی تڑپ ہے۔ تمہاری آنکھوں میں زندگی رقصاں ہے' تم مجسم زندگی ہو۔

صبح کاذب کا وقت تھا جب ہم ٹائیگر ہل پر طلوع آفتاب دیکھنے گئے۔ نہایت سرد ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر تارے بڑی تیزی سے چمک رہے تھے۔ کہکشاں اتنی قریب معلوم ہو رہی تھی جیسے ہاتھ بڑھا کر چھوئی جا سکتی ہو۔ جدھر نظر جاتی آسمان سے ملی ہوئی برفانی چوٹیاں دکھائی دے رہی تھیں اور اونچے اونچے پہاڑوں کے سلسلوں نے ہمیں گھیر رکھا تھا۔ ہم دونوں بیٹھے مشرق کی ہلکی ہلکی روشنی دیکھ رہے تھے۔ ہوا کے جھونکوں سے تمہارے بال پریشان تھے۔ تمہارے چہرے پر تو شگفتہ پھولوں کی تازگی تھی۔ اس نیم تاریک ماحول میں سب سے روشن شے تمہارا چہرہ تھی جس پر تاروں سے زیادہ نور تھا۔

صبح کا تارہ طلوع ہوا۔ پھر مشرق کا اجالا بڑھ گیا۔ کنچن چنگاسے روشنی منعکس ہونے لگی۔ دفعتہ تارے دھندلے پڑ گئے اور برف کی اس عظیم دیوار کا رنگ بدل گیا۔ ہلکی ہلکی گلابی جھلک آ گئی۔ آس پاس کی تمام پہاڑیوں پر عکس پڑنے لگا۔ رنگ تیز ہو کر یکلخت بدل گیا اور ساری کائنات اودی ہو گئی۔ اودا رنگ نیلا ہوا' پھر سبز' زرد' نارنجی' سرخ' قوس قزح کے سارے رنگ باری باری آئے اور برفانی چوٹیوں سے منعکس ہوتے رہے پھر مشرق سے پگھلا ہوا سونا بہنے لگا اور چاروں طرف آگ سی لگ گئی۔ایک

بہت بڑی گھومتی ہوئی سنہری گیند جھانکنے لگی۔ لوگ ایک سمت میں اشارہ کرنے لگے۔ دور تین چھوٹی چھوٹی سفید چوٹیاں نظر آ رہی تھیں جن میں اس دنیا کی سب سے اونچی

چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ بھی تیہ جو زیادہ فاصلے کی وجہ سے اتنی ذرا سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر سب کچھ اتنی تیزی سے چمکنے لگا کہ آنکھیں چندھیا گئیں۔

طلوع آفتاب کا نظارہ زندگی کی حسین ترین یادوں میں سے ہے۔ جب کبھی یاد آتا ہے تم یاد آ جاتیہ و جو اس خواب کی دنیا میں میرے ساتھ تھیں جہاں رنگوں کے طوفان مچل رہے تھے۔ نور کے اس بیکراں سمندر میں قدرت نے اپنے رنگ ختم کر دیے تھے۔

وہ چند دن کتنی خوشیوں میں گزرے پہلے ارادہ تھا کہ تم سے بہت سی شکایتیں کروں گا' تم سے خوب خفا ہوں گا' لیکن نہ جانے کیوں میں نے یہ ذکر بالکل نہ چھیڑا۔ تمہارے چہرے پر اس قدر پیار تھا کہ میں نے سب کچھ بھلا دیا۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو تم نے وعدہ کیا کہ ہر تیسرے روز خط لکھا کروں گی۔ تمہیں لحہ لحہ میرا انتظار رہے گا۔ اگر میں نے آنے میں دیر کر دی تو تم خود مجھے لینے آ جاؤ گی۔

جب ہم جدا ہوئے تو تمہاری آنکھیں نمناک تھیں۔ تمہاری ٹرین چل دی۔ میں دروازے میں کھڑا تم سے باتیں کر رہا تھا' جب اترنے لگا تو تم بولیں۔ ذرا سنبھل کر اتریے۔ تمہارے یہ الفاظ مجھے بڑے اچھے لگے۔ یہ فقرہ میرے حافظے میں جم کر رہ گیا۔ واپس آ کر ایک خیال نے کتنا ستایا' کتنا بے چین کیا۔ اسم رتبہ تم کس قدر مختلف تھیں۔ تمہارا رویہ' تمہاری باتیں' میرا نام لینے سے گریز' انگوٹھی کا ذکر' بات بات پر شرمانا اور وہ جھلک جو میں نے پہلی مرتبہ دیکھی۔ تم چاہتی تھیں کہ ہم مستقبل کی باتیں کریں۔ میں تمہیں شادی کے لیے کچھ کہوں۔ تم بے قرار تھیں کہ میں شادی کے لیے کہہ دوں۔ایک دو مرتبہ مجھے خیال بھی آیا' لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کہ خاموش ہی رہا۔ تم میرے منہ سے وہ الفاظ سننے کے لیے بے قرار تھیں۔ کاش کہ میں نے کہہ دیا ہوتا۔ اگرچہ ہم ایک دوسرے سے شاید جھوٹ بولتے' لیکن کچھ دیر اکٹھے بیٹھ کر آئندہ

زندگی کے منصوبے باندھتے۔ تم شرما جاتیں۔ بڑی پیاری پیاری باتیں ہوتیں۔
کاش کہ میں نے کہہ دیا ہوتا۔

ایک دفعہ گزر گیا اور تم نے مجھے یاد نہیں کیا۔ بڑے انتظار کے بعد تمہاری ایک سہیلی کا خط ملا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس سے تم نے دارجیلنگ میں ملایا تھا۔ یہ خط اس نے تمہارے ایما پر بھیجا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تم مجھے خط نہیں لکھو گی۔ میں انتظار کرنا چھوڑ دوں اور تمہیں ملنے بھی نہ آؤں۔ مجھے اعتبار نہیں آیا۔ میں نے خط بھیج کر وجہ دریافت کی۔ جواب آیا صرف اتنا کہ بس تم نہیں چاہتیں۔ اگر میں ملنے بھی گیا تو تم نہ مل سکو گی۔

میں موقع پا کر تمہاری سہیلی سے ملنے گیا۔ میرے اصرار پر اس نے بتایا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔ تم اکثر میرا مذاق اڑایا کرتی ہو۔ مجھے حیرت ہوئی اور یقین نہ آیا۔ جب میں نے بہت زور دیا تو اس نے ایک پروگرام بنایا کہ وہ اگلے روز تمہیں اور کئی اور لڑکیوں کو چائے پر بلائے گی' دانستہ طور پر میرا ذکر چھیڑا جائے گا اور میں چھپ کر سب کچھ اپنے کانوں سن لوں گا۔
اگلے روز میں نے سب کچھ سنا۔ تمہاری سہیلی کے پاس میری ایک تصویر بھی جو اس نے تم سے لی تھی۔ اس تصویر پر تبصرے ہونے لگے۔ تم نے میرے متعلق نہایت سخت الفاظ کہے کہ میں اجتماع ضدین ہوں' مجھے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ میں ہرجائی ہوں' آوارہ گرد ہوں' جہاں اس قدر اکھڑ ہوں' وہاں کبھی کبھی اتنا جذباتی بن جاتا ہوں کہ دوسروں کو پریشان کر دیتا ہوں۔ میں بالکل معمولی سا لڑکا ہوں' بالکل نکما۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں کیں۔ میں نے شیشوں کی اوٹ سے دیکھا۔ تمہارے ہاتھ میں میری تصویر تھی' لبوں پر وہی زہر بھری مسکراہٹ اور آنکھوں میں نفرت تھی۔ تم اس وقت ایسے اجنبی کا ذکر کر رہی تھیں جس سے تمہیں شدید نفرت تھی' جسے تم بالکل نہیں جانتی تھیں۔

کسی اور کے منہ سے یہ سن کر مجھے ہر گز افسوس نہ ہوتا' لیکن تمہارے لبوں سے یہ الفاظ سن کر مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو گئی۔ میں نے اس وقت کو کوسا جب تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ تمہارے ہر جائی کہنے پر مجھے ہر جائی بننے کا خیال آیا۔ میں نے تمہاری سہیلی کی بڑی تعریفیں کیں۔ اس کی آنکھوں کی تعریفیں کیں' ہونٹوں کی' رخساروں کی' زلفوں کی اور شاید اسے میں کچھ پسند بھی تھا۔ میں نے اس دو تین روز کے قیام میں تمہیں بھلانے کی کوشش کی اور واپس آ کر ان لڑکیوں کو خط لکھنے جن سے محض تمہاری وجہ سے خط و کتابت بند کر دی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد میں اور بھی دور چلا گیا جہاں تنہائی کی گناہ زیادہ تھی۔ دلدوز وحشت تھی' ویرانیاں تھیں' ظلمتیں تھیں۔ پرانی یادیں دفن ہو گئیں۔ کچھ دنوں کے لیے زندگی دفن ہو گئی۔

عرصے کے بعد واپس لوٹا۔ سٹیمر کے لمبے سفر کے بعد ایک ایسی جگہ اترا جہاں باغ ہی باغ تھے۔ بہار ابھی نہیں آئی تھی۔ وہ جگہ کچھ ایسی خوشنما بھی نہیں تھی اور میں مسرور بھی نہیں تھا پھر بھی جب میں آوارہ پھر رہا تھا تو ٹہنیوں میں نئی نئی کونپلیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کملائے ہوئے پھولوں پر نہ جانے اتنی ساری تتلیاں کہاں سے آ گئی تھیں۔ پنکھے کی سکل جیسے پتوں والے لمبے لمبے درخت ہوا میں جھوم رہے تھے سمندر پر اجلے اجلے آبی پرندے اڑ رہے تھے۔ ان کی سیٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ سمندر بالکل پر سکون تھا۔ دور افق پر جہاں سمندر اور آسمان ملتے تھے وہاں اکی دکی کشتیوں کے بادبان نظر آ رہے تھے۔ آسمان بالکل نیلا اور شفاف تھا۔ کہیں ایک بھی بادل دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک انجانی مسرت میری روح میں سمائی جا رہی تھی۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ ابھی کوئی آیا چاہتا ہے اور تم مجھے مل گئیں۔ تم نے ہلکا نیلا لباس پہن رکھا تھا' بالکل آسمان کے رنگ کا' سمندر کے رنگ کا۔ تمہارے بالوں میں نیلے پھول لگے ہوئے تھے' تمہارے آویزے آسمانی رنگ کے تھے' گلے میں آسمانی منکوں کا ہار تھا۔ کلائیوں میں دو

دو چوٹیاں تھیں آسمانی رنگ کی۔

تم نے بتایا کہ تمہارے ابا جان ان دنوں نزدیک ہی ایک جگہ تعینات ہیں۔ تم یہاں چند دنوں کیلیے آئی ہو۔ پھر ان کے پاس چلی جاؤ گی۔ تمہاری امی باہر گئی ہوئی ہیں اور تمہارے ساتھ تمہارے ننھے بہن بھائی ہیں۔ میرے ہوٹل کے بالکل قریب وہ مکان تھا جس میں تم ٹھہری ہوئی تھیں۔

جب ہم سمندر کے کنارے بیٹھے تھے تو ماضی نے میرے دل کو مسوسنا شروع کر دیا۔ بیتے ہوئے تلخ کر دیا۔ بیتے ہوئے تلخ لمحات ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ میں نے تم سے کچھ نہ کہا' بس یونہی خاموش بیٹھا لہروں کو تکتا رہا۔

میں نے تمہاری طرف ایک یا دو مرتبہ دیکھا۔ مجھے اپنے آپ پراعتماد نہیں تھا۔ اگر کچھ دیر لگا تار تمہارے چہرے کو دیکھتا رہتا تو مسحور ہو کر رہ جاتا۔ تمہارے چہرے سے محبت جھلک رہی تھی' تمہاری آنکھوں میں پشیمانی تھی اور باتوں میں التجا۔ تم مجھے ماننے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہم دیر تک بیٹھے رہے۔ شفق پھولی' سمندر سرخ ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں سورج رنگین بادلوں میں چھپ گیا اور اندھیرا پھیل گیا۔

جدا ہوتے وقت تم نے کہا کہ تمہارے کمرے میں رات کو ہلکی ہلکی سبز روشنی رہتی ہے۔ اس کمرے کا ایک دریچہ سمندر کی طرف کھلتا ہے اور وہاں سے میرا ہوٹل سامنے نظر آتا ہے۔ تم نے یہ بھی کہا کہ رات بھر تم اپنے کمرے میں تنہا ہو گی اور اداس ہو گی۔

جب میں تمہیں چھوڑ کر واپس آیا تو سمندر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں کہ جیسے طوفان آنے والا ہے۔ اور رات کو طوفان آیا۔ مہیب لہریں ساحل سے ٹکراتی رہیں۔ آندھی کے تند تھپیڑے شور مچاتے رہے۔ ابی پرندوں کی چیخیں سنائی دیتیں رہیں میں نے کھڑکی سے دیکھا کہ تمہارے کمرے میں سبز روشنی ہے اور تم دریچے میں کھڑی ہو۔ میں سیڑھیوں سے اترا بھی۔ کچھ دور گیا۔ دریچے کے قریب تاریکی میں کھڑا تمہیں دیکھتا رہا پھر واپس لوٹ آیا۔

رات بھر تمہارے کمرے میں روشنی رہی۔ تم بار بار دریچے میں آئیں۔ رات بھر تم نے میرا انتظار کیا۔

اگلے روز مجھے وہاں سے جانا تھا اور میں چلا گیا۔

بعد میں دل کیسا کیسا تلملایا۔ نہ جانے تم مجھ سے کیا کہنا چاہتی تھیں جو تمہیں رات بھر میرا انتظار رہا۔ اگر میرے دل و دماغ میں وہ تلخی اس شدت سے حلول نہ کر جاتی تو میں آسانی سے وہ فقرے بھلا سکتا تھا جو تم نے میرے متعلق کہے تے۔ شاید تم سہیلیوں کو چھیڑ سے بچنے کے لیے ان کے سامنے جھوٹ موٹ میری برائیاں کر رہی تھیں۔ تمہارے خط نہ لکھ سکنے پر بھی اپنے دل کو بہلانے کے لیے کئی بہانے تراش سکتا تھا۔ شاید تم مجبور تھیں۔ شاید تم پر ایسی بندشیں ہوں جن کا مجھے علم نہیں' لیکن اس رات میں بیتی ہوئی تلخ باتیں دوہراتا رہا اور تم دریچے میں کھڑی میرا انتظار کرتی رہیں۔ کاش کہ میں کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول جاتا۔ کاش کہ اس رات تمہیں ملنے چلا جاتا۔

ان باتوں کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ میں تو تمہیں بھول ہی گیا تھا۔ کیا ہوا جو کبھی کبھار ذرا سی یاد آ گئی۔ اور اب اتنے دنوں کے بعد سمندر پار سے تمہارے ابا کا خط آیا ہے جس میں تمہارا ذکر ہے۔ لکھا ہے کہ تم ہر وقت اداس رہتی ہو۔ بے حد افسردہ رہتی ہو۔ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر کبھی کی کالج سے چلی آئی ہو۔ تم نے اپنے سارے مشغلے ترک کر دیے ہیں۔ دن بھر کسی تنہا گوشے میں چپ چاپ بیٹھی کچھ سوچتی رہتی ہو۔ تمہارے چہرے پر اداسی کچھ اس طرح چھائی ہے کہ کبھی نہیں جاتی۔ مدتوں سے تم نہیں مسکرائیں۔ شاید میں تمہیں اب بھی یاد آتا ہوں۔ شاید پشیمانی ہے' شاید اب تمہیں میرے خط کا اتنا ہی انتظار رہتا ہے جتنا آج سی کچھ سال پہلے مجھے تمہارے خط کا رہتا تھا۔ شاید وہ تلخیاں تم اب محسوس کر رہی ہو جو میں نے چند سال پہلے محسوس کی تھیں۔

جب سے خط آیا ہے تم بری طرح یاد آ رہی ہو۔
ایک رات بارش ہو رہی تھی' بوندیں ٹین کی چھت پر ٹپ ٹپ گر رہی تھیں۔ مجھے دار جیلنگ کی وہ ملاقات یاد آ گئی جب ہم دھند میں گھرے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے تھے۔ بالکل ایسی ہی رات تھی۔ اسی طرح بوندیں شور مچا رہی تھیں۔ چند دن ہوئے کلب میں کسی نے پیانو پر وہ دھن چھیڑ دی۔ یہ وہی دھن تھی جو اس رات پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس باغ میں سنائی دے رہی تھی جب پہلی مرتبہ تم میری آغوش میں آ گئی تھیں۔ ایک رات میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر آ رہا تھا۔ یکایک سامنے کے اونچے پہاڑ کے پیچھے روشنی پھیل گئی اور بڑا سارا چاند طلوع ہوا۔ سڑک چاندی کے تار کی طرح چمکنے لگی۔ مجھے وہ لمحے یاد آ گئے۔ جب اسی طرح چاند طلوع ہو رہا تھا اور چمکتی ہوئی سڑک پر تم میرا انتظار کرتے کرتے چلی گئی تھیں۔

تم نے مجھے جس قدر مسرتیں دی ہیں اسی قدر ستایا بھی ہے۔ جہاں زندگی کی حسین ترین چیزوں سے تمہاری یادیں وابستہ ہیں وہاں زندگی کے تلخ ترین اور تاریک لمحات بھی تمہاری وجہ سے آئے تھے۔ شاید تمہاری فطرت ہی ایسی تھی کہ تم پر کیفیتیں طاری ہوتی تھیں اور یہ کیفیتیں اس طرح بدلتی تھیں کہ تم بھی بدل جاتی تھیں۔ ایسے لمحے آتے تھے جب تم محبت کرتی تھیں اور ایسے لمحے بھی آتے تھے جب یہ محبت اجنبیت میں بدل جاتی تھی اور نفرت میں' لیکن جب تم نے محبت کی ہے شدید طور پر کی ہے۔ اس شدت سے کی ہے کہ مجھ پر محبت کی بارش ہونے لگی' محبت نے مجھے محیط کر لیا۔
اور وہ تمہاری شوخ مسکراہٹ' یوں معلوم ہوا کرتا جیسے تمہارے روئیں روئیں میں زندگی رچ گئی ہے۔ تمہارے چہرے سے زندگی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ تم خود زندگی تھیں۔ سب سے پیارا تو وہ ننھا سا تل تھا جو تمہارے لبوں کے گوشے پر تھا۔ اس تل میں بلا کی دلکشی تھی اور پھر وہ تمہارے لبوں کا عجیب سا تناؤ' جیسے ہر وقت مسکرا رہے ہوں۔

مدتوں تم نے میرے خیالات کو بسایا ہے۔ مدتوں تم میری کائنات پر چھائی رہی ہو۔ میں نے لق و دق صحراؤں میں ریت کے سنہری ٹیلوں پر تمہارا نام لکھا ہے۔ میں نے سمندر کے کنارے سنگریزوں سے تمہارا نام لکھا ہے۔ بلندیوں پر نئی نئی گری ہوئی ملائم برف پر تمہارا نام لکھا ہے۔ جھیلوں میں تیرتے ہوئے کنول کے پھولوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ تمہارا نام پڑھا جاتا تھا۔ میں نے لپکتے ہوئے شعلوں کی چنگاریوں سے تمہارا نام لکھا ہے۔

آج تک میں نے تمہیں کوئی خط نہیں بھیجا۔ کچھ دنوں سے میرا جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں ایک خط لکھوں۔ نہ جانے اسے تمہیں بھیجوں گا بھی یا نہیں۔ اگر میں نے اسے لکھ کر پھاڑ دیا تو جو اپنے پچھتاوے آ رہے ہیں ان میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے گا۔

○○○

- منزل

ہم محاذ پر جا رہے تھے۔ ہمیں بندرگاہ سے رات کی تاریکی میں جہاز پر سوار کیا گیا اور اندھیرے میں جہاز نام معلوم منزل کو چل پڑا۔ باوجود انتہائی کوشش کے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ ہمیں کس محاذ پر اور کون سے حصے میں بھیجا جا رہا ہے۔

جہاز میں امریکن' انگریز کینیڈین' آسٹریلین' ہندوستانی' سب ملے جلے تھے۔ سمندر میں خطرہ تھا اس لیے جہاز کی رفتار ست تھی۔ رک رک کر چلتا' اوقات رات بھر ٹھہرا رہتا۔ رات بھر جہاز پر مکمل تاریکی رہتی۔ کسی قسم کی روشنی کی اجازت نہیں تھی۔ ہمارا زیادہ وقت خاموش بیٹھے رہنے اور سوچنے میں گزرتا۔ ایک تھکاوٹ سی' پژمردگی سی' سب کے چہروں پر چھائی رہتی۔ باتیں ہوتیں تو منزل کے متعلق قیاس آرائیاں کی جاتیں۔ گفتگو کے دوران دفعتہً ہمیں محسوس ہوتا کہ سب موضوع ختم ہو چکے ہیں۔ ہماری باتیں بے ربط میں' بے معنی ہیں۔ ہم باتوں سے اکتا جاتے' رفاقت سے اکتا جاتے اور وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔

میں عرشے پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا' صبح سے شاید یہ پچاسواں سگریٹ تھا۔ قریب دو شخص بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ہاتھوں میں گلاس تھے اور میز پر بئیر کی بوتلیں۔ ایک کی گود میں طالسطائی کی' جنگ اور امن رکھی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ محاذ پر جانے میں ایک عجیب سا لطف محسوس ہوتا ہے۔ ایک عجیب سا ہیجان زندگی کے جمود میں ہلچل مچا دیتا ہے۔ تب شخصیت کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک تو خاموش اور مدلل شخصیت اور دوسری نڈر اور جاں باز شخصیت۔ کیوں۔؟"

"میری زندگی کا زیادہ حصہ لڑنے میں گزرا ہے' لیکن مجھے لطف کبھی نہیں آیا۔ ہیجان ضرور محسوس ہوا' لیکن یہ ہیجان خوشگوار نہیں تھا۔ میدان جنگ میں پہلی گولی پر سب کے

چہرے زرد پڑ جاتے ہیں۔ نئے نئے سپاہیوں کے بھی اور ان کے بھی جن کے سینے تمغوں سے بھرے ہوں۔ گولیوں کی بوچھاڑ کے ساتھ ساتھ حادثے شروع ہو جاتے ہیں۔ جنگ میں زندگی' موت' بہادری' بزدلی' رحم اور ظلم سب حادثوں پر موقوف ہے۔"

"لیکن تقدیر؟"

"اس کا پتہ نہیں۔ اب میرے پاس دلیری کے چھ اعلیٰ ترین اعزاز ہیں۔ پچھلی جنگ میں میں ہوا باز تھا اور مجھ جیسا نڈر آس پاس ملنا محال تھا۔ میں نے پہاڑوں سے ہوائی جہاز ٹکرائے' سمندروں میں گرا' بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کودا' کئی کئی دونوں کے بعد ملبوس کے نیچے سے زندہ نکل آیا۔ بیسوں ہوائی جہاز توڑے' لیکن ذرا سی خراش نہیں آئی۔ چھٹی پر گھر گیا تو اتفاق سے ایک چھلکے پر میرا پاؤں پھسلا اور میں نے اپنی ٹانگ توڑ لی۔ مہینوں بستر سے نہیں اٹھ سکا' بلکہ مرتے مرتے بچا۔"

"اتفاق اور قسمت کے درمیان لیکر کھینچنا بہت مشکل ہے۔"

"لیکن یہ قسمت نہ تھی' حادثہ تھا۔ محض حادثہ۔ قدرت بہت لاپروا ہے اور اگر محض ایک شخص لاکھوں انسانوں کی قسمت بدل سکتا ہے تو وہ قسمت ہی کیا ہوئی۔ بڑی بڑی جنگوں میں ایک انسان یا چند گنے گنائے انسان دنیا کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہی تقدیریں یوں چٹکی میں بدل جاتی ہیں۔ مجھے دو فقروں سے بڑی چڑ ہے۔ ایک تو یہ کہ قسمت میں یونہی لکھا تھا اور دوسرے یہ کہ جو کچھ ہوا بہتری کے لیے ہوا یہ طفل تسلیاں ہیں' لیکن بے حد عام طفل تسلیاں! ایک وقت تھا کہ میں انجنیئر بننا چاہتا تھا لیکن نہ بن سکا۔ یہ قسمت میں نہیں لکھا تھا۔ اپنی ناقابلیت اور لاپروائی سے میں نے خود اپنی قسمت میں لکھوایا اور یہ بہتری کے لیے بھی نہیں ہوا۔ میں نے ایسے موقعوں پر دعائیں مانگیں جب سچ مچ ضرورت مند تھا۔ کئی مرتبہ دعائیں مانگیں جب مجھے معجزوں کی ضرورت تھی لیکن کبھی کچھ نہیں ہوا سوائے اس کے کہ میرے دل کو وقتی طور پر اطمینان سا ہو گیا۔"

"پتہ نہیں کیوں مجھے دعا پر اعتماد ہے۔ کوئی پوشیدہ قوت ضرور ہے جو ہماری زندگی پر حاوی ہے۔ یہ طاقت خواہ کسی قسم کی ہو۔ مگر ہے ضرور۔ ورنہ یہ اتنا بڑا نظام خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا تھا۔ تخلیق کر لو' مجھے تم گھاس کا ایک تنکایا ننھا سا پھول تو تخلیق کر کے دکھا دو۔ اسی قوت کو خدا کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر خدا ہے تو دعا بھی ہے۔ میں تو یہ بھی مانتا ہوں کہ دعا سے حالات بدل جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے ایسی پہاڑی عبور کرنی پڑی جسے دشمن نے گھیر رکھا تھا۔ میرے زندہ بچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ میں نے دعا مانگی کہ اگر بچ گیا تو دنیا کے سامنے پکار پکار کر کہوں گا کہ خدا موجود ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ میں زندہ ہوں اگرچہ میں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔"

"مگر سپاہی کا دعا سے کیا تعلق؟ سپاہی تو صرف لڑتا ہے۔ دشمن بھی لڑتا ہے اگر وہ تمہارا دشمن ہے تم تو اس کے دشمن ہو۔ دشمن بھی وہی دعا مانگتا ہی جو تم مانگتے ہو۔ خدا کس کی دعا سنے کس کی نہ سنے؟ اور پھر اس وسیع کائنات میں ایک انسان کس قدر حقیر ہے؟ یہاں کتنے نظام شمسی ہیں' کتنے سورج ہیں' کتنے چاند کتنے سیارے ہیں جو آباد ہیں۔ دنیا کتنی چھوٹی ہے اور اس میں ایک انسان کس قدر کم مایہ ہے؟ میں تو یہ بھی نہیں مانتا کہ انسان مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گا۔ یہ خیال کس قدر عجیب ہے۔ اگر دوبارہ جلانا ہی ہے تو مارنے میں کیا تک ہے؟ بھلا کیا ضرورت ہے کہ اتنے سارے مرحوم پھر زندہ کیے جائیں؟ انسان جو ایک کی زبان نہیں سمجھ سکیں گے۔ جن کی زندگیوں میں کئی کئی ہزار سال کا وقفہ ہو گا جو ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں گے۔ اتنی مخلوق کو اکٹھا کہاں کریں گے' ان سب کا بنے گا کیا؟۔

"تم کچھ بدل گئی ہو۔ ہم پچھلی مرتبہ ملے تو تمہارے خیالات مختلف تھے۔"

"میں بدلا تو نہیں' البتہ اب میں کسی چیز کی زیادہ پروا نہیں کرتا۔ نہ کسی سے توقع رکھتا ہوں' نہ ضرورت سے زیادہ امیدیں۔ نہ عبادت کرتا ہوں نہ دعا مانگتا ہوں۔ میں نے زیادہ سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ سوچنا شروع کرتا ہوں تو فوراً کسی مفید کام میں مشغول ہو جاتا ہوں یا پینے لگتا ہوں۔"

''اب وہسکی بھی تو اچھی نہیں ملتی۔ مدت سے اچھی وہسکی نہیں چکھی۔ میرے پاس چند بکس نہایت بڑھیا قسم کی بوتلوں کے رکھے ہیں' لیکن اس کے لیے تمہیں سکاٹ لینڈ کے شمالی سرے تک پہنچنا ہو گا۔ لڑائی کے اختتام پر تم آنا۔ ہم جشن منائیں گے۔ رات بھر کلب میں تاش کھیلا کریں گے' رقص کیا کریں گے' پیا کریں گے اور دن بھر سویا کریں گے۔ تم گھڑیوں اور کیلنڈروں کو کہیں چھپا دیں گے' اخباروں کو جلا دیں گے۔''

''یا پھر لمبی سی چھٹی لے کر آوارہ گردی کے لیے نکل جائیں گے' نہ کوئی پروگرام ہو گا نہ کسی کو بتائیں گے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ بس جو جگہ پسند آ گئی وہیں قیام ہو گا۔ جب جی بھر گیا تو پھر نکل کھڑے ہوئے۔''

''کیسے دن ہوں گے وہ بھی۔ تم مجھے میرے گھر کے پتے پر خط لکھنا' میں تمہارا انتظار کروں گا۔ تو پھر وعدہ رہا۔ محاذ سے واپسی پر ہم ضرور ملیں گے۔

''ہاں ضرور ملیں گے۔ لیکن پتہ نہیں کب؟ اگر واپس آئے تو''

دفعتہ مسکراتے ہوئے چہرے زرد پڑ گئے۔ دونوں کی نگاہیں ایک لمحے کے لیے ملیں پھر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ فوراً نئی بوتلیں کھولی گئیں۔ گلاس بھرے گئے۔ دونوں خاموشی میں پینے لگے۔

رات کا اندھیرا گہرا ہو چلا تھا۔ بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔ جہاز ہچکولے کھا رہا تھا۔ میں کٹہرے سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ یکایک کوئی قریب سے گزرا ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا۔ وہ خاکی لباس پہنے ہوئے تھی۔ چند سال پہلے کی شناسا جو کبھی نہایت شوخ و شنگ اور مغرور لڑکی تھی' جسے احساس حسن انتہائی حد کا تھا۔ وہاں کوئی ایسا لڑکا نہ ہو گا جسے کچھ دنوں اس کا خبط نہ رہا ہو۔

میں نے اسے غور سے دیکھا' اس کی آنکھوں میں اداسی چھلک رہی تھی۔ ہم باتیں کرنے لگے۔ گزرے ہوئے لمحوں کی باتیں۔ ماضی حال اور مستقبل کی باتیں۔

"یہ تمہاری باتوں میں پختگی کہاں سے آ گئی شریر لڑکے؟ یہ سنجیدگی تمہیں کون دے گیا؟"

"اور تمہیں یہ حزن کس سے ملا؟ تم تو پارے کی طرح بے قرار تھیں۔ مچلتی ہوئی تڑپتی ہوئی حسینہ، پہلی مرتبہ میں نے تمہیں اس روپ میں دیکھا ہے۔"

"میں اداس ہوں۔"

"بیتی ہوئی گھڑیاں یاد آ رہی ہیں یا وہ پرانے بدنصیب عاشق جو سچ مچ بدنصیب تھے اور سدا نامراد رہے۔"

"جانتے ہو؟ کچھ دن مجھے تم بھی اچھے لگے تھے، لیکن فقط چند دنوں کے لیے۔" "اچھا کیا تم نے پہلے نہیں بتایا ورنہ جانے میں کیا کرتا۔"

"تمہاری ایک ادا بھا گئی تھی، مسکراتے یکلخت جو سنجیدہ ہو جایا کرتے تھے وہ جیسے ابھی تم ایک دم سنجیدہ ہو گئے ہو۔ شاید میں تمہیں دوبارہ پسند کرنے لگوں، چلو اوپر چلیں۔"

اس نے میرا بازو تھام لیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے جہاں ہوا بہت تیز تھی۔ جنگلے پر کہنیاں ٹیک کر سمندر کی لہروں کو دیکھنے لگے جو رہ رہ کر جہاز سے ٹکراتی تھیں۔

"اور تمہارے اس پختہ عمر کے عاشق کا کیا بنا؟ یاد ہے نا تمہیں؟ کہاں ہے وہ آج کل؟"

"پتہ نہیں بہت دنوں سے اس کے متعلق نہیں سنا۔"

"وہ تم پر کس قدر فریفتہ تھا۔ بس تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتا تھا اور تم بے چارے کا مضحکہ اڑایا کہ میں کہ اس عمر کے عاشق نہایت بے وقوف ہوتے ہیں۔ بالکل بچے بن جاتے ہیں۔ جو مانگو لا دیتے ہیں۔ ذرا سی بات پر خوش ہو جاتے ہیں۔ تم دوسری لڑکیوں کو بھی یہی مشورہ دیا کرتیں کہ وہ لڑکوں کو چھوڑ کر ایسوں کی طرف متوجہ ہوں۔"

"وہ نہایت مخلص تھا۔"

"لیکن تم تو کہا کرتی تھیں کہ تمہیں صرف اس کی دولت سے دلچسپی تھی۔ اس کی قیمتی کار سے دلچسپی تھی۔ فقط اس کے قیمتی تحفے پسند تھے۔ تم اور عاشقوں کو چھوڑ کر اس کے ساتھ اس لیے جایا کرتیں کہ وہ تمہیں شام کو بہترین رقص گاہ میں لے جایا کرتا۔"

وہ خاموشی سے تاریکیوں میں دیکھتی رہی۔ اس نے اپنا سر میرے شانے سے لگا دیا ”میں غمگین ہوں۔“

”سچ بتانا کبھی وہ یاد آتا ہے؟ مجھے اس پر بڑا ترس آیا کرتا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ اس نے تم سے شادی کے لیے کہا تھا اور تم ٹال مٹول کر گئیں۔ وہ تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔“

”ان دنوں وہ مجھے بالکل پسند نہ تھا‘ لیکن اب نہ جانے کیوں یاد آ رہا ہے۔ میں ہمیشہ خود غرض رہی ہوں ۔ میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی۔ محبت‘ خلوص‘ دوستی‘ سب کا مذاق اڑایا‘ لیکن اب محسوس ہو رہا ہے کہ جتنے مرد میری زندگی میں آئے وہ ان سب سے پر خلوص تھا‘ صرف اسی کو مجھ سے محبت تھی۔“

”تم بھول گئیں کہ کچھ روز مجھے بھی تم سے محبت رہی ہے۔“ میں نے اسے چھیڑا۔

”یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ تم نے ایسی تاریکی میں مجھ سے پوچھا کہ اگر میں تمہیں چوم لوں تو مجھے کیا سزا دوں گی۔“ ”اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ تم اتنی پیاری معلوم ہو رہی تھیں کہ بس۔“

”تم اب مجھے چوم سکتے ہو اور میں تمہیں کوئی سزا نہ دوں گی۔“

”لیکن میری تمنا تو اس مسکراتے ہوئے شریر چہرے کو چومنے کی تھی‘ اس اداس چہرے کو نہیں۔“

”اچھا لو۔“ وہ مسکرانے لگی۔ ”بس؟“

مہیب لہریں زور سے ٹکراتیں اور پھوار پھیل جاتی۔ ہوا تند ہوتی جا رہی تھی۔ ہچکولے بڑھتے جا رہے تھے۔

”جب وہ آخری مرتبہ مجھے رخصت کرنے آیا تو کس قدر رنجیدہ تھا۔ اس کے چہرے پر کیسا کرب تھا۔ اس کی غمزدہ نگاہیں مجھے نہیں بھولتیں۔ وہ بالکل خاموش تھا اور میں جھوٹے سچے وعدے کر رہی تھی وہ یقین کر رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں اس کے

لیے محبت تھی نہ ترس تھا اور اب نہ جانے وہ اتنا کیوں یاد آ رہا ہے؟ پتہ نہیں کچھ دنوں سے مجھے کیا ہو گیا ہے؟ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے اس کا محزون چہرہ رہتا ہے۔ شاید اس لیے کہ بڑھاپے کے تصور نے مجھے چونکا دیا ہے۔ کل میں نے اپنے سر میں ایک سفید بال دیکھا' پہلا سفید بال! شاید اس لیے کہ میں تنہا ہوں۔ میرے دل پر خوف مسلط ہے اور روح پر گہری اداسی طاری ہے۔ زندگی بھر کبھی اپنے آپ کو اس قدر تنہا محسوس نہیں کیا مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لو۔ پرانے دنوں کا واسطہ دیتی ہوں میں بہت غمگین ہوں بہت اداس ہوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ایک بڑا کیبن مریضوں کے لیے مخصوص تھا۔ میں کسی سے ملنے گیا۔ شام کے دھندلکے نے مریضوں کے چہروں کو اور بھی اداس بنا دیا تھا۔ بے قرار آنکھیں خلا میں تک رہی تھیں۔ کیبن میں مکمل خاموشی تھی۔ دفعتہً ریڈیو پر جاز کی گت بجنے لگی' یہ گت جیسے اپنے ساتھ زندگی کا پیغام لے آئی ہو۔ ہونٹ مسکرانے لگے' آنکھیں چمکنے لگیں' تال پر سر ہلنے لگے اور باتیں شروع ہو گئیں۔

"ریڈیو پر سب سے پھیکا پروگرام خبروں کا ہوتا ہے۔ خبریں شروع ہوتی ہیں تو میں ریڈیو کو بند کر دیتا ہوں۔ آج صبح ریڈیو پر ایک نام بار بار سنا جس سے مجھے اپنے استاد یاد آ گئے۔ ان کی کنجوسی مثالی تھی۔ مشہور تھا کہ وہ اپنی عینک کے شیشوں میں سے اس لیے نہیں دیکھتے کہ استعمال کرنے سے کہیں شیشے گھس نہ جائیں۔ شادی ہوئی تو اپنا ہنی مون منانے کے لیے اکیلے گئے تھے کہ اخراجات کم آئیں۔ ان کا دل آئس کریم کی طرح سرد تھا۔ خود فراموشی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر یاد کرنے کی کوشش کیا کرتے کہ اس شبیہ کو پہلے ضرور دیکھا ہے۔ وہ بیس سال سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ جب وہ سکول کالج بنا تو یونیورسٹی نے کسی اور کو پرنسپل بنا دیا۔ انہوں نے نہایت سخت الفاظ میں شکایت کی' اپنے بیس سالہ تجربے کا حوالہ دیا۔

اوپر سے جواب آیا اسے بیس سالہ تجربہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا‘ یہ ایک سالہ تجربہ ہے بیس مرتبہ۔"

"اور ہمارے ایک استاد تھے جو اس قدر چالاک تھے کہ جب کبھی میں ان سے ہاتھ ملاتا تو ہاتھ ملانے کے بعد اپنی انگلیاں گنا کرتا۔ ایک مرتبہ میرے چچا کا ان سے تعارف کرایا گیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ چچا ڈاکٹر ہیں تو پوچھا۔ جگر کے ضعف کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ چچا طب کے ڈاکٹر نہیں فلسفے کے ڈاکٹر ہیں تو اسی انداز میں بولے۔ تو پھر نطشے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم چند لڑکے ان سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے۔ اتوار کو ہم ان کے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر اوپر کھڑکیوں کی طرف دیکھنے لگتے۔ راستہ چلنے والوں میں سے کچھ ٹھہر جاتے اور اوپر دیکھنا شروع کر دیتے۔ ذرا سی دیر میں پورا ہجوم اکٹھا ہو جاتا اور ہم کھسک جاتے۔ پروفیسر صاحب کی کھڑکی سے ہجوم کو بڑے غور سے دیکھتے رہتے‘ ادھر ہجوم انہیں دیکھتا رہتا کہ ابھی کچھ ہونے والا ہے۔"

"میں بڑا ہونہار لڑکا تھا۔" ایک طرف سے آواز آئی۔" بڑا ذہین اور محنتی‘ لیکن ایک چیز نے مجھے کالج سے دور رکھا۔ وہ چیز تھی ہائی سکول جہاں سے میں کبھی نہ نکل سکا۔ شاید میں ہائی سکول پر عاشق ہو گیا تھا۔ ہمیں فارم کا کام بھی سکھایا جاتا۔ فارم میں بہت سی گائیں تھیں۔ ایک دفعہ پانی کی قلت سے سب کچھ سوکھ گیا۔ گائیں سبز چارے کی عادی تھیں‘ بھوکی رہنے لگیں۔ یکایک ہمیں کچھ سوجھ گیا۔ شہر سے سبز رنگ کے بڑے بڑے چشمے بنوائے اور علی الصبح گایوں کی آنکھوں پر چڑھا دیے۔ اس طرح کہ گر نہ سکیں۔ شام کو چشمے اتار دیے جاتے۔ گایوں کو جو چاروں طرف ہرا ہی ہرا نظر آیا تو سوکھی گھاس اس رغبت سے کھانے لگیں کہ سب حیران رہ گئے۔ پھر دیکھتے دیکھتے ہمارے گھر کے سامنے جو درخت تھے ان میں عجیب و غریب پھل لگنے لگے۔ سنگترے کے درخت میں سیب لگتے ہوئے ہیں۔ سیب کے درخت میں خربوزے لٹک رہے ہیں اور یوکلپٹس کی ٹہنیوں میں کیلے۔ یہ ہماری کاروائی ہوتی۔ سڑک پر اتنا ہجوم اکٹھا ہو جاتا

کہ چوک کا سپاہی انہیں منتشر کیا کرتا۔"

"اور میں کلب کی بار پر متعین تھا۔ لوگ صبح سے شام تک پیا کرتے اور شام سے صبح تک۔ کئی حضرات صبح سے اگلی صبح تک مشغول رہتے۔ ایسے لوگوں کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ خاص طور پر بنوایا گیا تھا۔ اس طرح کی چھت میں قالین چپکا کر الٹی میز کرسیاں فٹ کروائی گئی تھیں۔ فرش میں ایک پنکھا اور کچھ بلب لگے ہوئے تھے جن کا رخ اوپر کی طرف تھا۔ دروازوں کی جگہ روشن دان تھے اور روشن دانوں کی جگہ دروازے غرضیکہ کمرہ بالکل الٹا بنایا گیا تھا۔ جب کوئی آپے سے باہر ہو جاتا تو اسے اس کمرے میں چھوڑ دیا جاتا اور سب چھپ چھپ کر دیکھتے۔ اس کی تصویریں بھی لی جائیں۔ جب اسے کمرہ الٹا دکھائی دیتا تو وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتا۔ اس خیال سے کہ ابھی نشہ باقی ہے۔ پھر اسے یہ احساس بھی ہوتا کہ وہ چھت میں معلق ہے۔ ایک آنکھ کھول کر ادھر ادھر دیکھتا پھر لیٹ جاتا۔ فرش تک پہنچنے کے لیے بھتیری چھلانگیں لگاتا' دیوار کو پکڑ کر چڑھنے کی' یعنی اپنی طرف سے نیچے اترنے کی کوشش کرتا۔ کافی دیر خوار کر کے غریب کو باہر نکالا جاتا۔ اس شرط پر کہ کسی اور سے نہیں کہے گا۔ ویسے میرا کام بالکل بے ہودہ سا تھا۔ گاہکوں سے لگاتار مغز مارنا' ان کی نگرانی کرنا۔ ایک شخص پئے ہوئے میرے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تار تھا جو اس کی منگیتر کے نام تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر یہ تار اسی وقت نہ بھیجا گیا تو منگنی ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ تار کے الفاظ یہ تھے۔ میاؤں' میاؤں' میاؤں میاؤں میاؤں اور پھر میاؤں میں نے اسے بتایا کہ اسی لاگت پر وہ ایک اور لفظ شامل کر سکتا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ کون سا لفظ شامل کیا جائے؟ میں نے بتایا کہ کیوں نہ ایک اور میاؤں لکھ دی جائے۔ وہ سر ہلا کر بولا۔ ایک اور میاؤں؟ ہر گز نہیں۔ کسی اور نے تار پڑھ لیا تو کیا کہے گا۔

وہاں پارٹیاں بھی ہوتیں۔ شروع شروع میں نہایت سنجیدہ باتیں ہوتیں۔ بعد میں پی پی کر لوگ اور بھی سنجیدہ ہو جاتے۔ ایک صاحب اپنے سامنے بیٹھی ہوئی خاتون کی گردن

میں چمچے سے آئس کریم ڈال رہے ہیں اور وہ ہیں کہ چپکی بیٹھی الٹا اخبار پڑھ رہی ہیں۔ ایک صاحب اپنے سامنے رکھی ہوئی خالی کرسی سے بڑے زوروں میں بحث کر رہے ہیں کہ جنوبی امریکہ کی سیاست بلقان کی سیاست سے کسی قدر مختلف ہے۔ ایک صاحب کو یقین ہو گیا ہے کہ وہ خرگوش ہیں' چنانچہ وہ ایک کونے میں دبکے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب بار بار لیٹر بکس میں سکہ ڈال کر کلاک کی طرف دیکھتے ہیں اور منہ بنا کر کہتے ہیں۔ افوہ میرا وزن پہلے سے کتنا کم ہو گیا ہے۔ ایک دندان ساز کو جوش آیا تو جیب سے زنبور نکال کر اپنی بیوی کی سہیلی کے دو دانت کھینچ کر اپنی جیب میں ڈال لیے۔"

یکایک کسی نے اندر آ کر بتایا کہ ساحل نظر آ رہا ہے۔ باتیں ختم ہو گئیں۔ قہقہے بند ہو گئے۔ کیبن کے سوراخوں سے سب باہر جھانکنے لگے۔ دور افق پر ایک مٹیالی دھندلی سی لکیر نظر آ رہی تھی' جیسے سمندر سے شروع شروع میں ساحل نظر آیا کرتا ہے۔ یقیناً یہ ساحل ہی تھا۔ شاید یہی ہماری منزل تھی۔ جہاز تیزی سے اس سمت میں جا رہا تھا۔ وہ لکیر نمایاں ہوتی گئی۔ کسی کے ہونٹوں سے ایک لفظ تک نہ نکلا' ایک آنکھ بھی نہ جھپکی۔ سب خاموشی سے اس لکیر کو دیکھ رہے تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ لکیر بادلوں میں تحلیل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ہم ان ہی بادلوں میں سے گزرے۔ اب ہمارے سامنے وہی پرانا افق تھا' وہی بھورا آسمان اور وہی موجیں مارتا سمندر۔ باتیں دوبارہ شروع ہوئیں' لیکن پھیکی معلوم ہونے لگیں۔ مسکراہٹیں غائب ہو چکی تھیں۔ آنکھیں اداس ہوتی گئیں اور دفعتہً محسوس ہوا کہ بستروں میں لیٹے ہوئے مریض اذیت کن تکلیف میں ہیں۔ سورج غروب ہو چکا ہے اور بڑھتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ ایک نا معلوم سا خوف عود کر رہا ہے۔

ناشتے پر میرے سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے بتایا کہ وہ محاذ پر رضا کارانہ طور پر جا رہا

ہے۔ اس نے خود اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ وہ پر سکون زندگی سے تنگ آ چکا تھا' اسے ہلچل اور گہما گہمی کی تلاش تھی۔ یوں بھی محاذ پر جانے کے کئی فائدے ہوتے ہیں۔

ترقی کی امید ہوتی ہے' اعزازات ملنے کے اور امکانات ہوتے ہیں اور پھر وہاں خرچ تو بالکل نہیں ہوتا۔ میں نے اسے راتوں کو اکثر باہر ٹہلتے دیکھا تھا۔ اس کے منہ میں ہر وقت پائپ ہوتا اور چہرے پر عجیب سی وحشت۔

"میں نے پہلے سب کچھ اچھی طرح سوچ لیا تھا پھر خدمات پیش کیں۔ زندگی میں قدم قدم پر میرا یہی وطیرہ رہا ہے۔ اپنے مستقبل کو ہمیشہ پہلے سے ترتیب دیا کرتا ہوں۔ بالکل ریاضی کے اصولوں کی طرح۔ میں کیا ہر شخص اسی طرح کرتا ہے تم بھی تو اسی طرح کرتے ہو گے؟"

"نہیں۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"نہیں؟ تعجب ہے۔ میرے خیال میں تو ہر انسان مستقبل کی تجویز میں سوچتا ہے اور ماضی سے سبق حاصل کر کے اپنی راہ خود بناتا ہے۔ زندگی میں باقاعدگی ہونی چاہئے۔ یونہی اندھا دھند زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے لو' میں نے چنے سے پہلے سارا روپیہ نکال کر ایسے کار خانوں میں لگا دیا ہے جو جنگ کا سامان تیار کر رہے ہیں۔ جب میں لوٹوں گا تو مجھے دگنی رقم ملے گی۔ بیمے کا سارا روپیہ میں نے واپس لے لیا۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو خواہ مخواہ بیوی کو فضول خرچی کے لیے اتنی دولت کیوں ملے۔ واپسی پر میں اس رقم سے کچھ ایسے حصے خریدوں گا کہ کئی گناہ فائدہ ہو گا۔ یہ تو کچھ نہیں' میں نے آج سے کئی سال تک ایک ایک مہینے ایک ایک دن کا پروگرام بنا رکھا ہے۔"

وہ اپنی زندگی کے پروگرام سناتا رہا۔ میں کافی پیتا رہا۔

"میں نے محاذ پر جانے کا صحیح ترین وقت چنا ہے۔ تم پہلے کبھی محاذ پر گئے ہو؟"

"نہیں۔"

"میں بھی نہیں گیا۔ پتہ نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں؟وہاں کیا حالات ہوں گے؟ دشمن ہم سے کتنی دور ہو گا؟ ہمیں لڑنا ہو گا یا نہیں؟ اتنے دنوں سے میرا وقت ضائع ہو

رہا ہے۔ اگر تفصیلات کا پتہ چل جائے تو میں اس کے مطابق تدبیریں سوچنی شروع کر دوں۔"

میں نے اسے بتایا کہ میں اسے راتوں کو پائپ پیتے اور ٹہلتے دیکھا کرتا ہوں۔ مجھے نیند نہیں آتی۔ فکر نے میرا سکون چھین لیا ہے۔ میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ اتنی راتیں جاگ جاگ کر گزار دی ہیں۔ میں بے حد خوفزدہ ہوں۔ میں محاذ پر کبھی نہیں گیا۔"

رات کو ایک امریکن دوست آیا اور مجھے ساتھ لے گیا۔ موم بتی کی روشنی میں کچھ لوگ بیٹھے پی رہے تھے۔ مجھے ایک بوڑھے شخص سے ملایا گیا۔ وہ رپورٹر تھا۔ عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہو گی' جوانی میں نہایت وجیہہ ہو گا۔ اس کی باتوں میں ایسی جاذبیت تھی کہ سب اس کی جانب متوجہ تھے۔ میرے دوست نے بتایا کہ وہ اخباری دنیا میں بہت مشہور ہے۔

وہ اپنی زندگی کے قصے سنا رہا تھا۔ بچپن سے مجھے جہاں گردی کی ایسی لت پڑی کہ اس پر کبھی قابو نہیں پا سکا۔ بچپن کی جتنی یادیں اور جتنے کردار میرے ذہن میں محفوظ ہیں ان سب میں نمایاں ایک معمر شخص کا چہرہ ہے۔ مسکراتا ہوا معصوم چہرہ وہ خدو خال مجھے کبھی نہیں بھولتے۔ میں چھوٹا سا تھا کہ اپنے لنگوٹیے دوست کے ہمراہ گھر سے بھاگ نکلا۔ ہماری مختصر سی پونجی بہت جلد ختم ہو گئی۔ پھر ہم راستہ بھول گئے۔ خالی ہاتھوں' بھوکے ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ ایک بوڑھا شخص مسکراتا ہوا آیا اور پوچھنے لگا کہ دوستو! تم نے آوارہ گردی بہت جلد شروع کر دی۔ کیوں؟ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ آس پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے کچھ چرایا جا سکے؟ وہ بولا۔ ایک جگہ ہے تو سہی' لیکن پکڑے جانے کا ڈر ہے۔ اگر پکڑے گئے تو جیل جانا ہو گا۔

جیل کے نام پر ہمارے چہرے فق ہو گئے۔ وہ کہنے لگا کہ میں ایک مرتبہ جیل گیا تھا' کچھ ایسی بری جگہ بھی نہیں' بلکہ کئی گھروں سے اچھی ہے۔

ہم نے کہا اچھا ہمیں ساتھ لے چلو۔ اندھیرے میں پیچیدہ گلیوں سے گزرتے ہوئے ہم

ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔ وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا۔ اندر سے دروازہ کھول کر اس نے اشارہ کیا اور ہم دبے پاؤں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ باورچی خانے میں پہنچ کر اس نے کھڑکیاں اور دروازے بند کیے' آگ جلائی اور انڈے تلنے لگا۔ وہ انڈے تل تل کر ہمیں دے رہا تھا اور ہم بے تحاشا کھا رہے تھے' بالکل ندیدوں کی طرح۔ ہم نے اس کا انتظار تک نہیں کیا' حتیٰ کہ انڈے ختم ہو گئے۔ پھر اس نے نعمت خانہ کھول کر میٹھی چیزیں نکال کر دیں دفعتہً باہر آہٹ سنائی دی۔ اس نے ہمیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ ہم ایک کونے میں دبک گئے۔ آہٹ آنی بند ہوئی اور ہم پھر کھانے لگے۔

وہ بولا' لاؤ میں برتن دھو دوں۔ اگر برتن صاف ملے تو کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ سب یہی سمجھیں گے کہ کسی بلی کتے کی کرتوت ہے۔ میں یہاں اکثر آیا کرتا ہوں۔

ہم اپنی جیبوں میں پھل ٹھونس رہے تھے کہ پھر آہٹ ہوئی۔ اس مرتبہ آہٹ تیز ہوتی گئی۔ دھڑام سے دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کی موٹی تازی عورت داخل ہوئی۔ ہم دونوں چند لمحے کے لیے بت بنے کھڑے رہے۔ پھر ایسے سر پٹ بھاگے کہ اس عورت کے بازوؤں کے نیچے سے نکل گئے۔ اس کی تیز آواز ہمیں سنائی دی رہی تھی۔ وہ بوڑھے کو ڈانٹ رہی تھی کہ تم دوسرے مردوں کی طرح کام کاج کیوں نہیں کرتے۔ اچھے خاوند ہو۔ گھر میں دنیا بھر کے لفنگوں جہان گردوں کو لے آتے ہو۔ چوروں کی طرح آتے ہو اور چوروں کی طرح نکل جاتے ہو۔ تم سے شادی کیا کی زندگی تباہ کر لی۔

بھاگم بھاگ سٹیشن پر پہنچے۔ وہاں ایک مال گاڑی جاتی ہوئی دکھائی دی' لپک کر اس میں سوار ہو گئے۔ تھوڑی سی اور انڈیلنا بس اس نے چند گھونٹ لیے اور بتانے لگا: بچپن میں بڑی مشقت اٹھانی پڑی۔ اخبار بیچ کر' باغوں کھیتوں میں کام کر کے بمشکل تعلیم حاصل کی۔ ارادہ تھا کہ وکیل بنوں گا۔ میں نے قانون پڑھا۔ ان ہی دنوں ایک بار سوخ امیر شخص کو مجھ سے للّٰہی بغض ہو گیا۔ یہ دشمنی بالکل بلا وجہ تھی۔ بس اسے میری

شکل سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں پہلی مرتبہ عدالت میں گیا تو اس نے میرا مقدمہ اس طرح خراب کرایا کہ میں بدنام ہو گیا۔ میرے خلاف لوگوں کو ورغلایا مجھ پر تہمتیں لگائیں۔ یہاں تک کہ میں نے قانون چھوڑ دیا اور وہ شہر بھی چھوڑ دیا۔ ایک تجارتی ادارے میں شریک ہوا' مگر رشوت کے عادی افسر اعلیٰ کی بے جا فرمائشیں نہ پوری کر سکنے پر وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ پھر ملازمت کے لیے امتحان میں بیٹھا۔ جب آخری مقابلے میں پہنچا تو وہاں اتفاق سے پر اسی شخص سے واسطہ پڑا جو مجھ سے نفرت کرتا تھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک پرانے مشفق استاد کا خط ملا۔ انہوں نے یورپ آنے کو کہا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ میری ہر طرح مدد کریں گے۔ سفر کے لیے اپنا مختصر اثاثہ فروخت کرنا پڑا۔ بے شمار امیدیں لیے یورپ پہنچا۔ اپنے استاد کے گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ چند دن پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ عرصے تک واپس نہ لوٹ سکا۔ جگہ جگہ بھٹکتا پھرا۔ مدرس رہا پہاڑوں میں گائیڈ رہا' دکانوں میں کام کیا' جہازوں پر ملاح رہا۔ گزشتہ جنگ عظیم میں شریک ہوا۔ کئی مرتبہ زخمی ہوا اور کچھ دیر جنگی قیدی بھی رہا۔ دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہ ہو گا جہاں میں کچھ عرصہ کے لیے نہ رہا ہوں۔ مجھے کئی مرتبہ محبت بھی ہوئی' لیکن کسی عورت نے ایسے بے خانماں کو زیادہ دیر نہ چاہا۔ چند لڑکیاں میری خانہ بدوش اور لا ابالی طبعیت پر ریجھیں' مگر میری مالی حالت کو دیکھ کر انہوں نے ارادہ بدل دیا۔ کئی بار میں نے کوشش کی کہ یہ آوارہ گرد چھوڑ کر کہیں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لوں' لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ میں کنوارا ہیرہ۔ میں خوش نصیب ہوں یا بدنصیب؟ اس کا پتہ نہیں لیکن جب معاملہ قسمت پر پڑا تو اس نے کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ قسمت نے مجھے لالچ ضرور ضرور دیے طرح طرح کی ترغیبیں دیں۔ بس اور کچھ نہیں میں کسی جگہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ نہیں بتا سکتا۔ ہر نئے کام کے آغاز پر پوری مستعدی اور شوق کے ساتھ اسے شروع کرتا۔ پھر نہ جانے کیا ہو جاتا کہ میری سب تدبیریں خاک میں مل جاتیں۔ زندگی نے میرے ساتھ جیسا سلوک بھی کیا' لیکن

میں نے ہار کبھی نہیں مانی۔ تھوڑی سی اور انڈیلنا۔"

وہ مسکرا رہا تھا اور پی رہا تھا۔ زندگی کی ناکامیاں سناتے وقت اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی جس میں حزن اور مسرت ملے جلے تھے لیکن جس میں مسکراہٹ کے علاوہ اور کچھ بھی تھا۔ وہ باتیں سناتا رہا اور لمحے گزرتے رہے۔

"مجھے اپنی عمر کا احساس ہے۔ اس سٹیج پر انسان کو عمر رسیدہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت میرے پاس عمر بھر کا جمع کیا ہوا مالی اثاثہ ہونا چاہیے جو کہ قطعاً نہیں ہے' لیکن جب میں دنیا سے رخصت ہوں گا تو نہایت بیش قیمت ترکہ چھوڑ جاؤں گا' ایسا ترکہ جو پہلے کسی نے نہیں چھوڑا۔ لو میں اپنی وصیت سناؤں۔ سنو۔ میں یہ سارے قوس قزح کے رنگ' چمکیلے شوخ و شنگ پھول' رقص کرتی ہوئی تتلیاں' اشارے کرتے ہوئے تارے' کسی دوسری دنیا کی پر سحر کہانیاں۔ یہ سب بچوں کے لیے چھوڑ جاؤں گا اور ان کے لیے بھی جن میں عمر کوئی تبدیلی نہ لا سکی جو ابھی تک بچے ہیں۔ اور وہ سب دل آویز مدہوش کن پیارے لمحے محبت کرنے والوں کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔ وہ لمحے جو بہت قیمتی ہیں' جن میں زندگی کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔ یہ سب چاندنی راتیں' عطر بیز' مخمور طلسم زدہ راتیں محبت کرنے والوں کو دے جاؤں گا۔ اور حسینوں کو سب جگمگاتے رنگ' شرمیلی خوشبوئیں اور محبت بھری نگاہیں دے جاؤں گا ان کی مشاطگی کے لیے وہ سب آرائش چھڑ جاؤں گا جو ان ہی کا حق ہیں۔ اور نا امیدوں اور بدنصیبوں کے لیے صبح صادق' جب طلوع آفتاب کے ساتھ دنیا نئے سرے سے تخلیق ہوتی ہے جب ماضی دفن ہوتا ہے اور حال وجود میں آتا ہے۔ اور سیلانی روحوں کو ان کے سارے وسیع صحراؤں' ناپید سمندروں اور گم شدہ جزیروں کی حکمرانی سونپ جاؤں گا اور زندگی کا بیش قیمت عطیہ بھی زندگی جو ہر دم رواں دواں ہے' جس کی تازگی اور شگفتگی ابدی ہے۔ اور دنیا داروں کے لیے جن کے دل پتھر کے بن چکے ہیں' موسیقی کی وہ غیر فانی تانیں چھوڑ جاؤں گا' جنہیں سن کر وہ چند لمحوں کے لیے اس شور مچاتی ہوئی دنیا کو بھول جائیں اور وہ

جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے' جو ہمیشہ ناکامیاب رہتے ہیں' ان کی لیے دوستوں کا خلوص چھوڑ جاؤں گا خلوص جو غیر مادی ہے' جو ایمان ہے دوستو! میں یہ اتنی رنگین حسین دنیا تر کے میں چھوڑ جاؤں گا جسے میں نے ایک ایک لمحہ پیار کیا ہے۔ تھوڑی سی اور انڈیلنا۔"

اس نے چند گھنٹوں میں گلاس خالی کر دیا۔

اور جب میں مر جاؤں' تو جہاں چاہو دفن کر دینا۔ کسی ہرے بھرے میدان میں جہاں دور دور تک سبزہ مخمل کی طرح بچھا ہو۔ جہاں خود رو پھول گھاس سے سر نکال نکال کر جھومتے ہوں یا کسی ایسے ویرانے میں جہاں کھنڈر ہوں' بگولے اڑتے ہوں۔ جہاں خزاں اور بہار میں کوئی فرق نہ ہو' جہاں تنہائی ہو' وحشت ہو یا کسی چوٹی پر درختوں کے جھنڈ میں دفن کر دینا ' جہاں برفباری میری قبر پر سفید چادر چڑھاتی رہے۔ بہار آنے پر جب سورج چمکے تو کلیاں کھل کر پھول بن جائیں' بھنورے گانے لگیں' معطر ہوائیں خوشبوئیں بکھیری ہوئی گزر جائیں کوئی تیز سا جھونکا آئے تو قبر پر پھولوں کی بارش ہو جائے۔ دوستو یا مجھے اپنے دلوں میں دفن کر دینا!"

اس کا سر سینے پر جھک گیا۔ خمار سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

میں جنگلے کا سہارا لیے افق کو دیکھ رہا تھا۔ افق پر جو ہر طرف ایک سا تھا۔ جو دائرے کی طرح محیط تھا۔ جو تاریکیوں میں گم تھا۔ ہوا تھمی ہوئی تھی۔ سمندر پر سکون تھا۔ جہاز رواں تھا' لیکن بالکل ساکن معلوم ہو رہا تھا۔ آسمان پر تارے ٹمٹما رہے تھے' کائنات خاموش تھی۔

آسمان اور سمندر کے درمیان ایک وسیع خلا تھا۔ لامتناہی اور ہیبت ناک خلاء جس میں وہ تاریک جہازیوں معلوم ہو رہا تھا جیسے بھٹک رہا ہو' کھو گیا ہو۔

اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ ذہنی کشمکش یہ رد عمل' یہ آنے والے کل کا خوف یہ اندیشے صرف چند ایسے انسانوں کے نہیں تھے جو محاذ پر جا رہے تھے۔ یہ ذہنی کیفیت صرف

چند انسانوں کی نہیں تھی، بلکہ ہر انسان کی تھی۔ یہ انسان کے شعور کی تصویر تھی۔ ہر وہ انسان جو اس آسمان تلے سانس لیتا ہے، جو سوچتا ہے، جو زندہ ہے!

یہ روح میں گھلی ہوئی ابدی تنہائی تدبیر اور تقدیر دونوں کی بے بسی زندگی کے سفر کا غیر یقینی پن اور منزل کا خوف جو آنکھوں سے اوجھل ہے اور نا معلوم

○○○

- سراب

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں دھوپ پھیل چکی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے تکیے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ دریچوں سے سرو اور چنار کے درختوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ نیلگوں چمکیلے آسمان میں ایک بادل بھی نہیں تھا۔ خنک ہوا کا جھونکا آیا اور خوشبوئیں چھوڑ گیا۔ اس نے اپنے چہرے پر تازگی اور نور کا لمس محسوس کیا۔

چاروں طرف ایک جیسے پہاڑ تھے۔ بالکل خشک اور بنجر کہیں سبزے کا نام تک نہ تھا۔ اس کے باوجود اسے یہ اچھے معلوم ہوئے۔ شاید اس لیے کہ یہ پہاڑ اجنبی تھے۔ یہ خطہ اجنبی تھا۔ آسمان کا یہ حصہ اجنبی تھا۔ یہاں وہ پہلی مرتبہ آیا تھا۔

گھنٹی بجا کر اس نے چائے منگوائی اور سگریٹ سلگا کر دھوپ میں جا بیٹھا۔ رات اسے وہ خواب پھر نظر آیا تھا۔ وہی خواب جسے مدتوں سے دیکھ رہا تھا جو بالکل بے معنی تھا۔ بے معنی اور عجیب سا۔ نہ جانے یہ خواب اسے بار بار کیوں نظر آتا تھا۔ کبھی مکمل اور حصوں میں لیکن ہر بار بلا کسی تبدیلی کے جوں کا توں ہوتا۔

خواب یوں شروع ہوتا جیسے ایک ویرانہ ہے۔ وسیع اور ہیبت ناک ویرانہ جس میں نہ کہیں نسیب ہے نہ فراز۔ نہ کوئی نشان راہ۔ ایک دھندلی سی پگڈنڈی پر وہ چلا جا رہا ہے۔ پگڈنڈی جو اس کے وہم کی تخلیق ہے۔ آسمان پر پورا چاند ہے' تارے بھی ہیں لیکن پھر بھی چاروں طرف تاریکی ہے' چاند بے نور ہے' ستاروں کی دمک معدوم ہے' زمین و آسمان بالکل تاریک ہیں۔ چلتے چلتے جیسے مدتیں گزر جاتی ہیں۔ پر ایک اور پگڈنڈی نظر آنے لگتی ہے اور ایک شبیہہ جو قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ پگڈنڈی آ ملتی ہے اور وہ شبیہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگتی ہے وہ اسے دیکھتا ہے ایک اجنبی حسینہ۔ جس کے خدوخال اجنبی ہیں۔ جس کا لباس اجنبی ہے جس کے ہونٹ خاموش ہیں۔ وہ اس کی طرف

دیکھتی ہے۔ وہ اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر دیتا ہے۔ وہ اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیتی ہے۔ دونوں اسی طرح خاموش چلتے جاتے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے چاند تاروں کا نور لوٹ آتا ہے۔ زمین و آسمان جگمگا اٹھتے ہیں۔ پھر ایک جگہ پگڈنڈی الگ ہوتی ہے۔ اور وہ ایک لفظ کہے بغیر جدا ہو جاتی ہے۔ جدا ہوتے وقت ایسی نگاہوں سے دیکھتی ہے جیسے ہمیشہ کے لیے بچھڑ رہی ہو۔ ظلمتیں عود کر آتی ہیں۔ نور چھپ جاتا ہے۔ وہ اسے وسیع ہیبت ناک ویرانے میں گم ہوتی دیکھتا ہے اور اپنا سفر جاری رکھتا ہے اس آسمان تلے جس میں بے نور چاند ہے' بے نور تارے ہیں' اس زمین پر جہاں نہ کوئی راہ ہے نہ نشان منزل۔ اس پگڈنڈی پر جو شاید اس کے اپنے وہم کی تخلیق ہے۔

اس کے بعد خواب کا دوسرا حصہ نظر آتا ہے۔ جیسے چاروں طرف بادل ہی بادل ہیں۔ اجلے بادل' بھرے بادل' اودے بادل' مختلف شکلوں کے طرح طرح کے بادل۔ سامنے افق پر بادل کے اوپر سنگ مر مر کا ایک قصر ہے جس کے نوکدار برج آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ خوبصورت مینارے اوپر نکلے ہوئے ہیں۔ فصلیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بادلوں میں وہ شفاف قصر نہایت خوشنما معلوم ہو رہا ہے۔ قصر کے بڑے دروازے تک راستہ جاتا ہے۔ بل کھاتا مڑ تا ہوا پر پیچ راستہ جو کبھی بادلوں کے کناروں کو چھوتا ہے تو کبھی ان کے حاشیوں کو کبھی بادلوں میں سے گزرتا ہے۔ کہیں کہیں دھند نے راستے کو چھپا رکھا ہے۔ اور ایک دریچے میں کوئی کھڑا ہے۔ شاید وہ اجنبی حسینہ جس کے خدوخال اتنی دور سے اچھی طرح پہچانے نہیں جاتے۔ جیسے وہ کسی کو منتظر ہے۔ بڑے انہماک کے ساتھ وہ اس بل کھاتے ہوئے راستے کو طے کر رہا ہے۔ ہر طویل وقفے کے بعد اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ راستہ اتنے کا اتنا باقی ہے اور وہ اجنبی اور حسین چہرہ اتنا ہی دور ہے۔

پھر جیسے وہ چہرہ غائب ہو جاتا ہے اور دیکھتے دیکھتے قصر میں شگاف آ جاتے ہیں۔ برج منہدم ہو جاتے ہیں۔ مینارے مسمار ہو جاتے ہیں۔ آناً فاناً سب کچھ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس کے پاؤں تلے راستہ شق ہو جاتا ہے اور وہ گرتا چلا جاتا ہے ایسی فضاؤں میں جہاں

کچھ بھی نہیں ہے جہاں صرف دلدوز تاریکی ہے۔ وہ عمیق گہرائیوں میں ظلمتوں میں گرتا چلا جاتا ہے۔ جہاں خلا ہے، نہ ختم ہونے والا خلا یہاں اس کی آنکھ کھل جاتی۔

وہ رات کی گاڑی سے وہاں پہنچا۔ پورے دو سال کے بعد لمبی سیاحت پر نکلا تھا۔ اتنے دنوں اسے طویل چھٹی کا انتظار رہا۔ اس مرتبہ وہ ایسے ملکوں کی طرف جا رہا تھا جن کے متعلق بچپن سے اتنی باتیں سنی تھیں، جنہیں دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ سگریٹ ختم ہو چکی تھی۔ دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اس بے معنی خواب پر غور کیا۔ کاش کہ ایسے اداس کر دینے والے خواب اسے نظر نہ آیا کریں۔ وہ اداس نہیں ہونا چاہتا، وہ مسرور رہنا چاہتا تھا۔ آزاد، بے فکر اور مسرور۔ تبھی تو اسے سیاحت اس قدر مرغوب تھی۔ اس کی مرغوب تیرن یادیں سیاحت سے وابستہ تھیں۔ اس نے اجنبی آسمانوں تلے طرح طرح کے نظارے دیکھے تھے۔ نظارے جو ذہن میں چسپاں ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ یادیں کیسی دلفریب تھیں اور یہ تو اسی دنیا کی یادیں تھیں۔ اس کا بس چلتا تو کائنات کے ایک ایک سیارے کو دیکھتا۔ تاریکیوں کے اس بے کراں سمندر کی دوسری طرف جہاں ننھے منے تاروں میں لا تعداد دنیا میں آباد ہیں۔ جہاں نئے چاند ہیں، نئے سورج ہیں، کہکشاں ہیں جہاں لوگ بستے ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ زندگی کا ہر نیا دن کسی نئی جگہ گزارنا چاہتا تھا۔

یہ جہاں گردی کی عادت اسے شروع سے تھی۔ شاید بچپن سے۔ اسی وہ دن یاد تھے جب اسی گھر سے دور سکول بھیجا جاتا۔ اتنی دور کہ سال میں صرف ایک مرتبہ گھر آ سکتا۔ اس کے ابا ایسے علاقے میں تعینات تھے جہاں جنگل ہی جنگل تھے۔ دور دور تک کوئی سکول نہ تھا۔ امی سے جدا ہوتے وقت وہ کتنا رویا کرتا۔ روانگی سے کئی دن پہلے وہ امی کو دلاسے دینے شروع کر دیتا۔ امی برآمدے کی چھت پر میں سفید سفید پتھر پھینک رہا ہوں۔ انہیں دیکھ کر مجھے یاد کر لینا۔ امی میں یہ دو گیندے کے پودے لگا رہا ہوں۔

ان میں پھول آئیں گے تو میں بھی یاد آیا کروں گا۔ سیمنٹ کے گیلے فرش پر میں نے اپنے قدموں کے نشان چھوڑ دیے ہیں۔ خشک ہونے پر نشان پختہ ہو جائیں گے۔ اور امی کس قدر مغموم ہو جاتیں۔ ان کی آنکھیں نمناک رہتیں۔ چھٹیوں میں لمحے بھر کے لیے وہ اسے جدا نہ ہونے دیتیں۔ صبح صبح سب سے پہلے وہ اس کا چہرہ چومتیں اور دیر تک دیکھتی رہتیں۔ جدا ہوتے وقت ابا تو سر پر ہاتھ پھیر کر بازو کو ذرا سا تھپتھپا دیتے' لیکن امی دور تک ساتھ جاتیں۔ ساتھ ننھی بہن بھی ہوتی جو امی کو غمگین دیکھ کر رونے لگتی۔ سکول پہنچ کر وہ امی کی طرح طرح کی چیزیں بھیجتا۔ ہر تیسرے روز خط لکھتا۔ امی شام کو جو مغرب میں چمکیلا تارا طلوع ہوتا ہے' اسے میں دیر تک دیکھتا رہتا ہوں۔ آپ بھی اسے دیکھا کیجیے۔ صبح صبح اٹھ کر دعا مانگتا ہوں۔ پچھلی رات کا پھیکا سا چاند نکلتا ہے تو اسے دیکھتا ہوں کہ شاید آپ بھی نماز پڑھ کر اسے دیکھ رہی ہوں۔ سکول کے اور بچے اپنے والدین کا ذکر کرتے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ کیسا کیسا جی چاہتا کہ وہ بھی اپنے گھر میں رہے جہاں والدین کا پیار میسر ہو۔ کھیلنے کے لیے ننھی بہن ہو۔

سکول بدلتے رہے۔ اسے نئی نئی جگھوں پر بھیجا گیا۔ عزیزوں کے پیار سے سدا محروم رہا۔ اسے کبھی اندازہ نہ ہو سکا کہ گھر کی چار دیواری میں کیسی زندگی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ اسے تنہا رہنے کی عادت پڑ گئی اور ساتھ ہی سیاحت کی بھی۔

اس نئے شہر میں گھومتے ہوئی ہر چیز میں غیر ملکی اثر محسوس ہوتا تھا۔ مکانوں کی طرز تعمیر مختلف تھی۔ لوگ اور طرح کے تھے۔ ان کے لباس خد و خال زبان سب مختلف تھے۔ اسے یہ سب کچھ بے حد پراسرار اور نیا معلوم ہو رہا تھا۔

ایک دکان کے سامنے اس نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو گا رہا تھا۔ اس کی بغل میں کتابیں تھیں۔ عمر ستر سے اوپر تھی۔ بال سفید ہو چکے تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں

تھیں اور آنکھوں پر ٹوٹی ہوئی عینک۔ پھٹے ہوئے پرانے لباس کے باوجود اس کے چہرے پر وہ وجاہت تھی جو عمر کے ساتھ آ جاتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کبھی

اچھے دن بھی دیکھے ہوں گے۔ وہ ایک عشقیہ غزل گا رہا تھا نہایت ادنی مضمون کی۔ شاید وہ فلمی گیت تھا۔ جب وہ آواز بلند کرتا تو گردن کی رگیں پھول جاتیں۔ گلا بھرا جاتا اور کبھی کبھی سانس بھی رک جاتا۔ جلدی سے سانس لے کر وہ پھر گانے لگتا۔ جب غزل ختم کر چکا تو اس نے بلند آواز میں بتایا کہ یہ غزل اس کتاب کی تھی۔ کتاب میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں۔ کتاب کی قیمت بھی بتائی' لیکن کوئی خریدار نہ آیا۔ کچھ انتظار کے بعد اس نے ایک اور غزل شروع کر دی۔ چند لڑکوں نے فقرہ کسا۔ بڑے میاں اس عمر میں عشق و محبت کی باتیں۔ آرام سے بیٹھ کر اللہ اللہ کیوں نہیں کرتے۔ بوڑھے نے گوشہ چشم سے ان کی طرف دیکھا۔ آستین سے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور ایسی نگاہوں سے زمین کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ بے حد تھکا ہوا ہو۔

اس نے ایک کتاب خریدی اور دانستہ طور پر کچھ دام زائد دے دیے۔ بوڑھا ابھی گن ہی رہا تھا کہ وہ جلدی سے چل دیا۔ اسے بوڑھے کی آواز سنائی دی جس نے بلا کر زائد دام لوٹا دیے۔ اس نے دیکھا کہ بوڑھے کے ہاتھوں میں رعشہ تھا۔

وہ شہر کی پررونق سڑک پر چل رہا تھا جہاں دکانیں طرح طرح کی چیزوں سے سجی ہوئی تھیں۔ روئیں دار کوٹ' بالوں والے ملائم جوتے' خوشنما قالین' ہاتھی دانت کے دستے کے خنجر۔ وہ ہر دکان کے سامنے کچھ دیر ٹھہرتا۔ دفعتہً اسے ایک مانوس چہرہ دکھائی دیا۔ نزدیک جا کر دیکھا تو ایک پرانا دوست نکلا۔ دونوں بڑی گرمجوشی سے ملے۔ زمانہ طالب علمی میں دونوں بڑے گہرے دوست رہ چکے تھے عرصے تک ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہے۔ بڑے اشتیاق سے ایک دوسرے کے متعلق سوال پوچھے۔ بیتے ہوئے دنوں کی باتیں کرنے لگے۔ پرانی باتیں پرانے واقعات' پرانے قصے لیکن یہ باتیں بہت جلد ختم ہو گئیں۔ انہیں چیزوں کو دہرا دہرا کر اکتا گئے۔ اسے کچھ مایوسی سی ہوئی دونوں کے خیالات بہت بدل چکے

تھے۔ اب کوئی نیا موضوع نہیں ملتا تھا۔ رفاقت کا وہ احساس جو چند لمحے پہلے اس شدت کے ساتھ محسوس ہوا تھا غائب ہو گیا۔ اس کی جگہ اجنبیت نے لے لی۔ شاید وہ خود بدل گیا تھا۔ شاید یہ بدلنا فطری تھا۔ پرانے دنوں کے بعد دونوں زندگیوں کے خود مختلف رہے تھے۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ فاصلہ اور وقت انسان کو کس طرح بدل دیتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پہلے کبھی نہیں ملے۔ اس کا دوست دوپہر کی گاڑی سے جا رہا تھا۔ یہ اسے چھوڑنے گیا۔ جب وہ وقت گزارنے کے لیے بے معنی سی گفتگو کر رہے تھے تو اسے ایک ضعیف باپ کی باتوں نے متوجہ کر لیا جو اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کا بیٹا کہیں دور جا رہا تھا وہ اسے نصیحتیں کر رہا تھا۔ "اپنا دل پتھر کا بنا لو۔ قسمت پر کبھی بھروسہ مت کرنا۔ قسمت ہمیشہ دغا دیتی ہے۔ دلیری' صبر اور تحمل۔ میں نے زندگی بھر انہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اب تم جوان ہو تمہیں دلیر اور سخت دل ہونا چاہئے۔ یہ یاد رکھو کہ تمہارے والد نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ اس کے سامنے تقدیر کانپتی تھی۔"

گاڑی کی روانگی کا وقت قریب آیا تو اس کا اندازِ گفتگو بدل گیا۔ وہی معمر تجربہ کار بزرگ جو سبق دے رہا تھا بالکل بچوں کی سی باتیں کرنے لگا۔ اس کے عمر رسیدہ چہرے پر کرب کی لہر دوڑ گئی۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ بمشکل آنسو ضبط کر سکا۔

"اسی طرح لکھا تھا بیٹے کہ میری اس عمر میں تم مجھ سے اتنی دور رہو۔ اگر تمہاری والدہ زندہ ہوتی تو شاید مجھے تمہاری جدائی اس قدر محسوس نہ ہوتی' لیکن اب مجھ سے تنہائی برداشت نہیں ہوتی۔"

گاڑی نے سیٹی دی۔ بوڑھا آنسو نہ روک سکا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ لاؤ میں تمہاری پیشانی پر بوسہ دوں۔ جب تم ننھے سے تھے تو تمہیں رخصت کرتے وقت ہمیشہ پیشانی چوما کرتا تھا۔"

"آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟" نوجوان لاپروائی سے بولا۔

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ تم نہیں جانتے' اس عمر میں ایک

ایک لمحہ گنا گنایا ہے۔" بوڑھے نے بیٹے کی پیشانی کو یوں چوما جیسے وہ ایک ننھے سے بچے کو پیار کر رہا ہو۔ گاڑی نے جنبش کی۔ بوڑھے نے جلدی سے کچھ نوٹ نکالے

اور بیٹے کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"یہ لو' میں تو بھول ہی گیا تھا۔"

"نہیں ابا۔ میری تنخواہ بہت ہے۔ مجھے اب ضرورت نہیں۔"

"تمہیں ضرورت نہ ہو' لیکن میرے لیے تم وہی ننھے سے بچے ہو۔ یہ لو۔"

بوڑھا لڑکھڑاتے قدموں سے ساتھ ساتھ چل رہا تھا' حتیٰ کہ گاڑی تیز ہو گئی اور وہ ساتھ نہ دے سکا۔

بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جنہیں اس نے خشک نہیں کیا اور دیر تک کھڑا گاڑی کے دھوئیں کو دیکھتا رہا۔

سہ پہر کو وہ وہاں کی مشہور جھیل دیکھنے گیا جو پہاڑوں میں گھری ہوئی تھی۔ خشک سنگلاخ چٹانوں میں اتنی بڑی جھیل نہایت خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ سورج چمک رہا تھا۔ فضا ساکن تھی۔ پانی کی سطح آئینے کی طرح شفاف تھی۔ کناروں پر چھوٹے چھوٹے کنج تھے۔ وہ پہاڑ پر چڑھتا گیا اور اتنی بلندی پر پہنچ گیا کہ جھیل چھوٹی سی معلوم ہونے لگی۔ سامنے وسیع وادی میں شہر دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دھوپ پیلی پڑ چکی تھی۔ پہاڑوں کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ ایک اور راستے سے اترا جو اسے دوسری طرف لے گیا۔

اس نے ایک ہجوم کو دیکھا جو اس کی طرف آ رہا تھا۔ آگے آگے ایک شخص تھا جس نے کپڑوں میں لپٹی ہوئی کوئی چیز تھام رکھی تھی۔ ایک جگہ وہ سب رک گئے۔ یہ کسی بچے کا جنازہ تھا۔ بچے کا باپ ایک نو عمر لڑکا تھا جسے لوگ چھیڑ رہے تھے' اس کا مذاق اڑا رہے تھے کہ اسے شکر ادا کرنا چاہئے کہ بچہ مر گیا ورنہ اس چھوٹی سی عمر میں اس پر اتنا بڑا بوجھ آن پڑتا۔ واقعی خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

وہاں بچپن کی شادی عام تھی۔ اس نے بچے کے باپ کو دوبارہ دیکھا۔ بالکل چھوٹی سی عمر کا ہنس مکھ لڑکا جو خوب مسکرا رہا تھا۔ غالباً اسے احساس نہیں تھا کہ یہ کیا ہو رہا

ہے۔

جب بچہ دفن ہو چکا تو لوگ آہستہ آہستہ جانے لگے۔ لڑکا کچھ دوران کے ساتھ ساتھ گیا پھر لوٹ آیا۔ جب وہاں کوئی نہ رہا تو وہ قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ دیر تک اس کے آنسو نہ تھمے۔ یہ کسی چھوٹے سے لڑکے کا گریہ نہیں تھا۔ یہ ایک باپ کا گریہ تھا۔ اپنی اولاد کے لیے۔ ایک باپ ماتم کر رہا تھا۔

جب وہ لوٹا تو اداس تھا۔ دن میں دیکھی ہوئی تصویریں سامنے پھر رہی تھیں۔ محبت' شادی' اولاد وہ ان سب جھنجھٹوں سے آزاد رہنا چاہتا تھا۔ وہ کنوارا تھا اور عمر بھر کنوارا رہنا چاہتا تھا۔ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کو دیکھے گا۔ مگر دور سے۔ وہ تمام عمر تماشائی رہنا چاہتا تھا۔ زندگی کی سب سے بڑی مصیبت بڑھاپا ہی مگر وہ بڑھاپے کی آمد تک زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے پہلے ہی مر جانا چاہتا تھا۔

اس نے خیالات کے سلسلے کو یکلخت منقطع کر دیا اور بڑے ہال میں چلا گیا جہاں رقص کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد جب موسیقی شروع ہوئی تو وہ سب کچھ بھول گیا۔

اگلے روز وہ پھر سفر پر روانہ ہوا۔ پہلے باغ آئے پھر اکے دکے درخت اور اور خار دار جھاڑیاں۔ پھر خشک اور بنجر ویرانہ۔ میلوں تک ایک جیسی پتھریلی زمین اور چٹانیں۔ چٹانیں جو دور سے اودی معلوم ہوتیں' نزدیک آنے پر سیاہ اور بھورے رنگ نمایاں ہو جاتے۔ پھر بلند پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ پہاڑ بڑے ڈراؤنے تھے۔ یہاں چٹانیں سورج کی تپش سے جھلس کر رہ گئی تھیں اور ان میں شگاف آ گئے تھے۔ بڑے بڑے پتھر سنگریزوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ فضا میں ایک عجیب سی اداسی تھی۔ ویرانی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہی ویرانیاں زندگی میں سنگ میل بنتی ہیں۔ ویرانیاں جو روح کی ظلمتوں کو ایک نئے نور سے معمور کرتی ہیں۔ تب دل کا اندھیرا

ہولے ہولے غائب ہوتا ہے۔ جھلسی ہوئی چٹانوں میں رنگین پھول کھلتے ہیں۔ تپتی ہوئی فضا میں خنک عطر بیز جھونکے آتے ہیں اور ابدی خاموشیاں نئی نئی راگنیوں سے گونج اٹھتی ہیں۔ تب انسان اپنے آپ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اس کے دل کے نہاں خانے سے وہ راز نکلتے ہیں جو مدتوں سے مدفون تھے۔ تب روح ایک نئی جلا سے آشنا ہوتی ہے۔ تب روح تخلیق کرتی ہے۔

ان وسیع وادیوں سے گزرتے ہوئے اسے یاد آیا کہ یہ علاقہ کبھی قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ یہاں شہر آباد تھے۔ انسان کی بنائی ہوئی چیزیں کتنی آسانی سے مٹ جاتی ہیں۔ اس کے چھوڑے ہوئے سارے نشان نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور پھر یہی سنگلاخ چٹانیں اور تپتی ہوئی زمین رہ جاتی ہے۔

سڑک بل کھاتی ہوئی چڑھ رہی تھی حتی کہ چوٹی آ گئی اور وہ درہ بھی آ گیا جس کے متعلق اس نے قدر سن رکھا تھا۔ موٹر رکی۔ ایک اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر اس نے نظر دوڑائی۔ سامنے نیا ملک نظر آ رہا تھا۔ وہاں سے نئی دنیا شروع ہوتی تھی۔

زندگی کے اتنے سال گزر گئے اور اسے خیال تک نہ آیا کہ محض چند دنوں کی مسافت پر ایک نیا ملک آباد ہے جہاں کی ہر چیز نئی ہے۔ وہ یہاں پہلے کیوں نہ آیا۔

یہاں سے کئی فاتح گزرے۔ تب بھی یہ درہ یونہی ہو گا۔ یہ چٹانیں' یہ پھیلی ہوئی دھند' یہ مٹیالا آسمان سب یونہی ہوں گے۔ وہ کون سا جذبہ تھا جو اجنبیوں کو کھینچ لایا۔ مال اور دولت کا لالچ ملک گیری کی خواہش یا شاید ان سے بالا تر کوئی کشش۔ وہ جذبہ جو انسانوں کو چاند تاروں کی طرف دیکھنے پر اکساتا ہے۔ جذبہ تجسّس ان دیکھے نظاروں کی جاذبیت نا معلوم راہوں کی کشش!۔

موٹر نیچے اتر رہی تھی۔ یہ علاقہ بھی ویسا ہی تھا۔ پہاڑیاں ختم ہوئیں اور چٹیل میدان نظر آئے۔ اسے دیہاتی دکھائی دیے جو ہاتھ کے اشارے سے موٹر ٹھہرانا چاہتے تھے۔ ڈرائیور نے موٹر روک لی۔ وہ بغیر کچھ کہے سنے کھڑکیوں سے اندر کود آئے۔ ان کی یہ بدتمیزی

بری لگی' لیکن ان کے چہروں کی طفلا نہ مسکراہٹ دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ اپنے گاؤں جانا چاہتے تھے جو راستے میں آتا تھا۔

اس نے غور سے انہیں دیکھا۔ تانبے جیسا دہکتا ہوا رنگ غیور روشن آنکھیں' گھنے ابرو' اوپر کو اٹھی ہوئی مونچھیں' تندرست جسم۔ میلے کچیلے لباس میں بھی جچ رہے تھے۔

ایک دیہاتی گانے لگا۔

دوستو! مرد زندگی بھر موت سے کھیلتے ہیں

مرد گرتی ہوئی بجلیوں کو للکار کر تھام لیتے ہیں

ہمیشہ یاد رکھو کہ جو مصیبت کل آنیوالی ہے وہ مصیبت ہی نہیں کیونکہ ابھی اتنی لمبی رات باقی ہے۔

دوسرے نے ساتھ دیا۔

دوستو میں اپنے وطن کا اتہ پتہ بتاؤں

میرا وطن کہاں ہے؟

ہر وہ جگہ جہاں قدموں تلے خدا کی زمین ہے

اور سر پر خدا کا آسمان ہے

ان کی آواز میں کرختگی تھی۔ وہ بغیر کسی سر کے گا رہے تھے' مگر ان کے گانے میں بلا کا لوچ تھا۔

دوستو! میں اپنے محبوب کا اتہ پتہ بتاؤں

مجھے زندگی میں صرف ایک ہستی سے محبت ہوئی۔

جس نے میرا سر بلند رکھا' جس نے مجھ سے کبھی بے وفائی نہیں کی

میری بندوق! جس سے اگر چاہوں تو آسمان کے تارے گرا لوں۔

وہ گاتے رہے حتی کہ ان کا گاؤں آ گیا۔ اندھیرا ہو چلا تھا۔ وہ جلد شہر پہنچ جانا چاہتا تھا' لیکن دیہاتیوں نے نہ جانے دیا۔ وہ ان کا مہمان تھا۔ وہ اکٹھے کچی دیواروں کے ایک وسیع احاطے میں داخل ہوئے۔ بڑا پر تپاک استقبال ہوا۔

کھانے کا وقت آیا۔ دستر خوان بچھایا گیا۔ دستر خوان پر دو قیدی بھی تھے جو اسی شام

کو گرفتار کر کے لائے گئے تھے' جنہیں ابھی تک مقامی عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ان کی ہتھکڑیاں اتار دی گئیں۔ ہاتھ دھلوائے گئے اور انہیں

ساتھ بٹھا لیا گیا۔

کھانا ختم ہو چکا تو نوجوانوں نے آگ کے گرد حلقہ بنا لیا اور رقص کی تیاریاں ہونے لگیں۔

موسیقی شروع ہوئی۔ سادہ سازوں سے نکلی ہوئی سادہ لے پر وہ نہایت خوبصورتی سی رقص کرنے لگے۔ تال پر ایک ساتھ جنبش کرتے۔ تال پر ایک ساتھ گھومتے۔ دیواروں پر ان کے لمبے لمبے سائے تھرک رہے تھے۔

لے تیز ہوتی گئی۔ میں حدت آ گئی۔ رقص میں حدت آ گئی۔

اس نے پہلے بھی موسیقی سنی تھی۔ اس نے صبح صبح جوگیوں کو گاتے سنا تھا طلوع آفتاب کے وقت جب پھیلتے ہوئے نور اور رنگوں کے باوجود ایک عجیب سی اداسی روح میں اترتی چلی جاتی ہے۔ جوگیوں کے گانے میں روح کی اس اداسی کا اعتراف تھا۔ اس نے عیاشیوں کی محفلوں میں شوخ و چنچل موسیقی تھی' ایسی محفلوں میں جہاں بے فکری تھی اور حسین چہرے تھے۔ جہاں زندگی منزل پر آ کر تھم جاتی۔ جہاں ماضی اور مستقبل دونوں بے معنی تھے۔ اس نے پیانو پر اداس نغمے سنے تھے' جب نازک انگلیاں سیاہ و سفید پردوں پر متحرک تھیں اور حسین نگاہوں میں پیغام تھی۔ پیغام میں درد تھا۔ جاگی ہوئی راتوں کی بے قراری تھی۔ ان گنت گلے تھے۔ اس نے بندرگاہوں کی نشہ آور موسیقی سنی تھی جو صرف ملاحوں کے لیے تھی' جو شراب کی بوتلوں سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی تھی جس میں غضب کا خمار تھا اس نے غریبوں کی جھونپڑیوں میں زمین پر بیٹھ کر وہ گیت بھی سنے تھے جن میں غم اور خلوص گھلے ہوئے تھے جن کو سن کر ان کے پژمردہ چہرے طمانیت اور وقتی مسکراہٹوں سے روشن ہو جاتے۔ اس نے رات کی تاریکیوں میں بانسری پر درد ناک نغمے بھی سنے تھے جن میں شکوے ہی شکوے تھے۔ کسی کے شکوے کسی کے لیے۔

لیکن یہ موسیقی ان سب سے مختلف تھی۔ اس میں نرالی جاذبیت تھی۔ انوکھی گونج تھی۔

اس میں طوفانوں کی سی جدوجہد تھی۔ یہ موسیقی اور رقص ان وسیع وادیوں اور سنگلاخ چٹانوں کی تخلیق تھے۔ یہ نغمہ آزاد دلوں کا نغمہ تھا۔ وہ نغمہ جو زمین و آسمان کی قید سے آزاد ہے، جو حیات و موت کی قید سے آزاد ہے۔

چند دنوں کے بعد اسے ایک گاؤں میں ٹھہرنا پڑا۔ وہاں کی خستہ سرائے میں قیام ہوا۔ وہیں ایک اور سیاح بھی مقیم تھا جو دوسرے ملک سے آیا تھا۔ وہ بے حد مغموم معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ لباس بے ترتیب تھا۔ وہ پی رہا تھا۔ اس نے اسے باہر چلنے کے لیے کہا، لیکن وہ پینے میں بری طرح مشغول تھا۔ اکیلا ہی وہ باہر نکلا۔

گاؤں کے چاروں طرف بادام اور خوبانیوں کے درخت تھے۔ انگور کی بیلیں تھیں۔ پہاڑوں سے ایک چشمہ شور مچاتا ہوا بہتا تھا جس کے کناروں پر لمبی لمبی گھاس میں جنگلی گلاب کھلا ہوا تھا۔ جب آفتاب غروب ہوا اور ہوا کے جھونکے تیز ہوئے تو نئی نئی نکلی ہوئی کونپلوں کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ شفق پھولی، اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں سرخ ہو گئیں۔ پھر تاریکی گہری ہوتی گئی۔ سرو اور سفید کے درخت مہیب معلوم ہونے لگے۔ جب وہ واپس لوٹا تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ دفعتہ اسے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گولیوں کی آواز سنائی دی۔ اس کے سامنے ایک شخص چلتے چلتے بھاگنے لگا اور اسے گولی لگی۔ حملہ آور جو شاید کسی دوسرے گاؤں کے تھے۔ بندوقوں کے دستوں سے دروازے توڑ رہے تھے۔ گلیوں کی دونوں طرف سے گولیاں چل رہی تھیں۔ بھاگنا یا چھپنا بے سود تھا۔ سنسناتی ہوئی گولیاں بالکل اسے چھوتی ہوئی نکل رہی تھیں۔ چاروں طرف شدید لڑائی ہو رہی تھی جس کی وجہ کوئی دیرینہ دشمنی معلوم ہوتی تھی۔ وہ محض تماشائی تھا، لیکن اس وقت اسے ہنگامے میں برابر کا شریک تھا۔ اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی چند لمحوں میں زندگی ختم ہوا چاہتی ہے۔ اسے موت بے حد قریب معلوم ہوئی۔ اس نے

موت کا سانس اپنے ماتھے پر محسوس کیا۔ وہ سرائے میں پہنچا تو اس نے اپنے ساتھی کو پیتے ہوئے پایا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں' بال پریشانی تھی۔ وہ بہت پی گیا تھا۔ روکنے پر بھی وہ نہ مانا۔ وہ دونوں خارش بیٹھے رہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی تھے۔ پھر نہ جانے کیونکر اسی دیر میں دوست بن گئے۔ شاید یہ اس شدید خطرے کا احساس تھا یا موت کا خوف۔ خوف جو مشترکہ تھا۔ وہ کٹھن لمحے دونوں کے لیے یکساں تھے۔

بہت جلد وہ وہ بے تکلف ہو گئے۔ اجنبی اپنی زندگی کی داستان سنانے لگا۔ اس نے بتایا کہ وہ پکا شرابی ہے۔ شراب کے علاوہ دیگر منشیات بھی استعمال کرتا ہے۔ شروع شروع میں جب اس نے پینا شروع کیا۔ تو اس کا ضمیر اسے ملامت کیا کرتا' لیکن ایک کبھی ایسا خیال نہیں آتا۔ اب ہر وقت نشے میں رہتا ہے۔ ہر وقت اس پر نیند سی طاری رہتی ہے۔ جب کبھی اس کیفیت سے چونکتا ہے تو آس پاس کی چیزوں اور ماحول سے گھبراتا ہے' چنانچہ اس کی یہی خواہش رہتی ہے کہ خمار ہر وقت رہے۔ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ دنیا میں کوئی اس کا دوست نہیں۔ پھر بھی اس کے اوقات بڑے مزے میں گزرتے ہیں۔ اس کی پیدائش فطرت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اسے ایسے گھرانے میں جہاں پہلے ہی بے شمار اولاد تھی۔ جب وہ پیدا ہو تو سب نے افسوس کا اظہار کیا۔ اس کی پرورش بہت بری طرح ہوئی۔ کوئی اس کے وجود کو نہیں چاہتا تھا۔ ہوش سنبھالا تو ناکامیوں نے آن دبوچا۔ وہ جو کچھ بننا چاہتا تھا نہ بن سکا۔ اس کی ایک خواہش بھی پوری نہیں ہوئی۔ پھر اسے ایک ایسی عشوہ طراز حسینہ سے محبت ہو گئی جس کے چاہنے والے لاتعداد تھے۔ جو سنگدل تھی ہرجائی تھی۔ ہزار ہا کوششوں کے باوجود وہ اس کا خیال دل سے نہ نکال سکا۔ اسے نہ بھلا سکا۔ سارا خلوص اور پیار بے کار گیا اور زندگی حسینہ کے غمزوں کے گرد گھومتی رہی۔ پھر اتفاق سے اسے کہیں سے دولت مل گئی۔ اس پر بہت سے لوگ ملتفت ہوئے۔ وہ بھی متلفت ہوئی۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ شادی کی شام کو وہ اپنے کسی عاشق سے ملنے گئی۔ شادی کے بعد اس نے کھلم کھلا اپنے

مداحوں سے ملنا شروع کر دیا۔ کئی سال اکٹھے رہنے کے باوجود بھی وہ اجنبی رہے' لیکن اس کی محبت کم نہ ہو سکی۔ وہ اس سے نفرت نہ کر سکا۔ آخر ایک روز وہ اسے چھوڑ کر کسی کے ساتھ چلی گئی۔

اس کے بعد اس نے مذہب کی طرف رجوع کیا۔ کوشش کی کہ کسی طرح عبادت میں غم بھلا دے۔ بڑے عجز سے دعائیں مانگیں' لیکن خدا سے کوئی مدد نہ آئی۔ پھر اس نے گناہ کرنے چاہے' گناہ کی زندگی بسر کرنی چاہی لیکن ناکامیاب رہا کیوں کہ وہ بزدل تھا' جذباتی تھا اور گناہ کرنے کے لیے ہمت چاہیئے۔ اس نے دوستوں کے خلوص پر زندہ رہنا چاہا' لیکن دوستوں نے ایک ایک کر دغا دی۔ دنیا میں اس کا کوئی نہ رہا پھر چاروں طرف سے ظلمتیں عود کر آئیں۔

سن سے ایک گولی بالکل قریب سے گزری۔ شور و غل نزدیک آتا۔ گیا۔ لڑائی بہت قریب ہو رہی تھی۔

"کیوں کر بتاؤں کہ میں نے کیسے کیسے عذاب برداشت کیے ہیں۔ کیسے کیسے جہنموں میں جلایا گیا ہوں' الفاظ صحیح طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ کسی زبان میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ میں ہمیشہ پیاسا رہا ہوں۔ ایسا پیاسا جسے دور پانی بھی نظر آتا ہو۔ میں نہایت کمزور ہوں۔ ڈرپوک ہوں۔ آخر ایک دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اب غم برداشت نہیں کر سکتا۔ اب زندگی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اب میں مسرور رہا کروں گا۔ پہلے مجھے شراب سے نفرت تھی اور شرابیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا' لیکن میں پینے لگا۔ اب میں ہر وقت مخمور رہتا ہوں۔ ہر وقت خواب دیکھتا رہتا ہوں۔ اور پھر خواب اور حقیقت میں فرق ہی کیا ہے؟ خواب دیکھتے وقت بھی سب کچھ حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ کہیں بیدار ہونے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب تو خواب تھا۔ میں خوابوں سے بدیار بہت کم ہوتا ہوں۔ کیا بتاؤں کہ میں کیسی کیسی دنیاؤں میں پرواز کرتا ہوں ساری بلندیاں اور پستیاں میرے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں میں کائنات پر حکمران کرتا

ہوں۔ میں کیسے کیسے نظارے دیکھے ہیں۔ میں نے چاندنی راتوں میں قلوپطرہ کے ساتھ نیل کشتی کی سیر کی ہے۔ ایک محصور قلعے کی فصیل پر ہیتین کو چوما ہے۔ میں نے دنیا کی خوبصورت ترین عورتوں سے محبت کی ہے۔ مجھے ان کے لبوں کا ایک ایک بوسہ یاد ہے۔ ان کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ میں نے جنگیں جیتی ہیں۔ میں تیروں کی بوچھاڑ میں گیا اور دشمن کا جھنڈا چھین لایا۔ اور جب مفتوح شہر میں داخل ہوا تو لوگ سجدے میں جھک گئے۔ کئی مرتبہ مجھے ایسی پیاری موت نصیب ہوئی کہ دنیا کی حسین ترین آنکھیں میرے لیے سوگوار ہیں۔ میں فرشتوں کے ساتھ آسمانوں میں اڑا ہوں اور زمین پر رینگنتے حقیر انسانوں کو دیکھ دیکھ کر مسکرایا ہوں۔ ایک جھلسے ہوئے پہاڑ کی بلند چوٹی پر کھڑے ہو کر میں خدا سے ہمکلام ہوا ہوں۔ میں نے چرواہوں کے ساتھ صحراؤں میں وہ تارے چمکتے دیکھے ہیں جو حضرت عیسیٰ کی آمد کا مژدہ سناتے تھے جو اتنی تیزی سے چمکتے تھے کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔ کون کہتا ہے کہ یہ خواب ہیں۔ یہ سب حقیقت ہے۔ یہ ایک نئی زندگی مجھے ملی ہے۔ اب میں واپس ان ظلمتوں میں ہر گز نہیں جاؤں گا۔ اب میں سدا مسرور رہوں گا۔"

رات بھر گولیوں کی آواز آتی رہی۔ شعلے تھرکتے رہے۔ شور و غل مچا رہا۔ جب رات تمام ہوئی تو یہ ہنگامہ ختم ہوا۔ سورج طلوع ہوا اور زندگی کی روشنی پھیل گئی۔ ایک کیف آور ان جانی خوشبو کہیں سے آ کر فضا میں سما گئی۔ اس لطیف ہوا میں سانس لیتے وقت اس نے زندگی کے لمس کو محسوس کیا۔ اسے زندگی جاگتی ہوئی دکھائی دی۔ باہر نکل کر دیکھا تو رات کے تاریک سائے اور ڈراؤنے ہیولے غائب ہو چکے تھے۔ گلیوں میں لوگ اس طرح چل رہے تھے جیسے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ پڑوس کے بڑے میدان میں جو رات بھر کشت و خون کا مرکز رہا ایک برات آ کر ٹھہری تھی۔ سازوں پر نہایت مسرور دھن بج رہی تھی۔ رنگ برنگے لباس دکھائی دے رہے تھے۔ بلند قہقہے سنائی دے رہے تھے۔

وہ سوچنے لگا کہ زندگی اور موت ایک دوسرے سے کس قدر قریب ہیں ہر صبح زندگی جاگتی ہے۔ نور کے سیلاب کو ساتھ لاتی ہے۔ رات کی تاریکی میں موت کا تسلط چھا جاتا ہے' زندگی سو جاتی ہے۔

رات ایسا کیسا عجیب تجربہ ہوا تھا۔ اس سے پہلے اس نے موت کا نام سنا تھا۔ رات اس نے موت کو متحرک دیکھا تھا۔ رات اس نے ایک انسان کو بھی قریب سے دیکھا تھا۔

اس کی نگاہیں سامنے نشہ نشین پر چلی گئیں۔ پردے کی اوٹ سے کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ اسی مسکراہٹیں عطا ہو رہی تھیں۔ جواب میں وہ بھی مسکرایا۔ ایک سفید ہاتھ چند شوخ پھول لیے باہر نکلا پھول اس کے قدموں میں آگرے۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے پھول اٹھا کر سونگھے۔

اس نے سوچا کہ جب تک دنیا میں حسین چہرے ہیں۔ معطر پھول ہیں۔ دل آویز مسکراہٹیں ہیں زندگی کی دلچسپیاں کم نہیں ہوتیں۔

نئے شہر میں پہنچ کر دن بھر وہ تاریخی عمارتیں دیکھتا رہا۔ عمارتوں پر ان گنت نام کھدے ہوئے۔ چند نام مانوس معلوم ہوئے۔ یہ اس کے اپنے ملک کے لوگوں کے نام تھے۔ اس نے ہر جگہ تاریخی مقامات پر ناموں کی بھرمار دیکھی تھی۔ لوگ پرانی عمارتوں پر نام کیوں لکھتے ہیں؟ شاید اس امید پر کہ ان کے نام بار بار پڑھے جائیں اور سالہا سال تک محفوظ رہیں۔ یہ غیر فانی بننے کا مادہ ہے جو انسان کے دل میں ازل سے موجود ہے۔ تب سے جب اسے موت شکست کھا جانے کا احساس ہوا! انسان غیر فانی بننے کے لیے ملک فتح کرتا ہے۔ عظیم الشان عمارتیں بنواتا ہے۔ نیک کاموں میں حصہ لیتا ہے۔ ایجادیں کرتا ہے۔ اپنے آپ کو کسی بڑی ہستی کے ساتھ منسوب کر کے عباسی' عثمانی' چنگیزی کہلاتا ہے اور جب کچھ نہیں کر سکتا تو کسی تاریخی عمارت پر اپنا نام کھود کر خوش ہو لیتا ہے۔

اس نے پہلی مرتبہ باغوں میں سرخ گھاس دیکھی۔ باغ ایسے تھے جیسے خوشنما قالین بچھے

ہوئے ہوں۔ خوشنما روشیں' پھولوں کے تختے' گھاس کے رنگین قطعے' درختوں کی قطارین ہر چیز بڑی فن کاری سی ترتیب دی گئی تھی۔ اس کے پاس چند تعارفی خطوط تھے۔ ایک شخص کو خط دیا تو اس نے شام کو رقص پر چلنے کو کہا اور بتایا کہ شہر کا اونچا طبقہ آئے گا' بڑی رونق ہو گی۔ وہ دونوں گئے۔ رقص گاہ کی سجاوٹ بیش قیمت آرائشی سامان بھڑکیلے معطر ملبوس اور مغرور چہروں نے اسے مرعوب کر دیا۔ وہاں ہر شخص ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ ہر حسینہ کے متعلق داستانیں سنی جا سکتی تھیں۔ ماحول نے اسے بے حد شرمیلا بنا دیا۔ وہ ایک کونے میں جا بیٹھا۔ اس کے نئے دوست نے ذرا سا عرق چکھنے کی دعوت دی۔ تم یہاں شرمانے کے لیے نہیں آئے ہو۔ ذرا سے عرق سے یہ جھجک دور ہو جائے گی۔"

اس نے بتایا کہ اس نے پہلے کبھی نہیں پی' لیکن وہ مصر رہا۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اسے پینے پر مجبور کیا گیا تھا۔ ایسے لمحات میں جب وہ سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا اور ایسے لمحات میں بھی جب مسرور دل خوشیوں کو طرح طرح سے محسوس کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے غم میں شراب سے اجتناب کیا تھا اور مسرت میں بھی۔

وہ کشمکش میں پڑ گیا۔ زندگی کا یہ تجربہ باقی تھا۔ وہ اس تجربے سے محروم نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس کے دوست کا اصرار بڑھا تو اس نے چند گھونٹ بھر لیے' ذائقہ کسیلا اور بد مزہ تھا۔

پھر اس کا دوست وہ افواہیں اور الٹے سیدھے قصے سنانے لگا جو وہاں آئی ہوئی خواتین کے متعلق مشہور تھے۔ سب سے زیادہ افواہیں مادام کے بارے میں تھیں۔ اس نے غور سے دیکھا۔ مادام پختہ عمر کی عورت تھی۔ تندرست اور طویل قامت۔ اس کے سرخ رنگ پر سیاہ لباس خوب معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے بہت سے قیمتی زیور پہن رکھے تھے۔ اس میں کوئی خاص جاذبیت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ صحت مند تھی اس کا لباس ضرورت سے زیادہ چست تھا اور وہ جہاندیدہ اور تجربہ کار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دوست نے ایک گلاس اور بھر کر دیا جسے وہ دوائے تلخ کی طرح منہ بنا کر پی گیا۔

جب سرور آیا تو آس پاس کی ہر چیز پر جادو چھا گیا۔ یوں معلوم ہوا جیسے وہ بے حد لطیف ہے۔ وہ چاہے تو ہوا میں دور تک اڑتا چلا جائے۔ اور یہاں جتنے اجنبی موجود ہیں وہ سب اسے جانتے ہیں۔ سب سے پرانی دوستی ہے۔ مادام کے چہرے کے نقوش دھندلے ہوتے گئے اور اس کا اپنا تخیلی حسن مادام کے چہرے پر منتقل ہو گیا۔ لمحے لمحے کے بعد وہ جاذب نگاہ ہوتی گئی۔ اس میں اتنی کشش آ گئی کہ وہ نہ رہ سکا۔ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سر کی ہلکی جنبش کے ساتھ اس نے تعارف خود کرایا۔ مادام اپنے متعلق بتانے لگی تو اس بات کاٹ دی۔ حسین چہرہ خود اپنا تعارف ہے۔

مادام نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ موسیقی شروع ہونے والی تھی۔ اس نے رقص کے لیے کہا۔ وہ بڑی سرد مہری سے بولی۔" جاؤ اپنی ہم عمر چنو۔"

"ہم عمر ہی تو چنی ہے۔ آؤ تمہیں آئینے کے سامنے لے چلوں۔

وہ خاموش ہو گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"میں نے اس ملک کے حسن کی بڑی تعریفیں سنی تھیں۔ آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

مادام نے ایسی نگاہوں سے اسے دیکھا جن میں غصہ اور حیرت ملے ہوئے تھے۔ جیسے وہ ایسی بے باک گفتگو کی عادی نہیں ہے اور وہ ایک اجنبی کی یہ جسارت اسے ناگوار معلوم ہوئی ہے۔

موسیقی شروع ہوئی تو آگے بڑھ کر مادام کے بازو تھام لیے۔ وہ اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔ اس کے حسن کی' زیوروں کی' لباس کی' اداؤں کی۔ وہ اسے شعر سنا رہا تھا۔

دوسرا رقص تیسرا رقص مادام کا رویہ بدل گیا۔ اب وہ اس کی باتیں ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ سن رہی تھی۔ اس نے اسے اپنا خاوند دکھایا جو مشہور سیاستدان تھا۔ اس کے گول مٹول چہرے پر بغیر فریم کی عینک تھی۔ وہ رزق برق لباس پہنے کسی غیر ملکی سفیر سے بڑی سنجیدہ بحث کر رہا تھا۔

پھر دفعتہ اسے نظر آیا کہ مادام کے چہرے پر جھریاں ہیں جنہیں رنگ و روغن سے چھپایا گیا ہے۔ مادام کی دو ٹھوڑیاں ہیں اور وہ ضرورت سے زیادہ فربہ ہے۔ اس نے جلدی

سے عرق کے چند گھونٹ بھرے اور مادام کی جھریاں غائب ہو گئیں اور چہرے پر ایک نئی شگفتگی اور تازگی آ گئی جو پہلے نہیں تھی۔

رقص کرتی وہ پردوں کی طرف چلے گئے ستونوں کے عقب سے ہوتا ہوا۔ وہ مادام کو باہر لے آیا۔ برآمدے میں بڑی تیز روشنی تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بولی۔ سامنے بڑا اندھیرا ہے۔"

"تمہارے چہرے کی جگمگاہٹ سے سب کچھ منور ہو جائے گا۔"

"تم اچھے اجنبی ہو۔ ابھی کہہ رہے تھے کہ تمہیں یہاں کی زبان نہیں آتی اور اب کتر کتر زبان چل رہی ہے۔ تم کتنے چالاک ہو اور کتنے؟

فقرہ نامکمل رہ گیا۔

"چلو باغ میں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

"نہیں میرا خاوند مجھے تلاش کر رہا ہو گا۔"

"تمہارا خاوند مدہوش ہے اور ایک نو عمر لڑکی کے ساتھ رقص کر رہا ہے۔"

وہ بولتا رہا۔ اس نے طرح طرح کی باتیں۔ ہر موضوع پر' اور وہ سنتی رہی۔ جب آخری دفعہ وہ مادام کے ساتھ رقص کر رہا تھا تو اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا مسرت افسردگی بہجت تھکان غنودگی کچھ بھی تو نہیں! وہ صرف یہ جانتا تھا کہ مادام کی شکل بار بار بدلتی تھی اور اس نے بارہا عرق پیا تھا۔

جب وہ اپنے دوست کے ساتھ واپس لوٹا تو رات کافی گزر چکی تھی۔ وہ اسے اس کے ہوٹل میں چھوڑ گیا۔ کچھ دیر کمرے میں بیٹھا' لیکن سڑک کے پار موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ سامنے ایک قہوہ خانہ تھا جہاں گھٹیا قسم کا رقص ہوا کرتا اور اوباش لوگ آتے تھے۔ وہ جانا نہیں چاہتا تھا مگر اس کے قدم خود بخود اسے لے گئے۔ وہاں ہلکا ہلکا معطر دھواں پھیلا ہوا تھا۔ مدھم سی پراسرار روشنیاں چل رہی تھیں۔ عجیب سے سازوں پر عجیب سی گت بج رہی تھی۔ سرکے زیروبم پر ساز تھراتے گھنٹیاں بجتیں۔ ایک چھریرے جسم

کی حسین لڑکی دف لیے رقص کر رہی تھی جس کارواں سوزاں پھڑک رہا تھا۔ وہ موسیقی اور اس مسحور ماحول کا ایک جزو معلوم ہوتی تھی۔ یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ پہلے رقص موسیقی سے ہم آہنگ ہوا تھا یا موسیقی رقص سے ایسا ناچ اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ رقاصہ کی نگاہیں اس حد تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ اسے بار بار دیکھتی تھی۔ تماشائیوں سے ہٹ کر وہ پردے کے پیچھے چلا گیا اور اوٹ سے دیکھنے لگا۔ زور کی جھنجھناہٹ کے ساتھ موسیقی ختم ہوئی۔ تالیاں بجیں۔ رقاصہ تماشائیوں کے سامنے جھک کر پردے کی طرف چلی۔ پردے کے پیچھے دوبازو منتظر تھے۔ وہ تھکی ہوئی تھی۔ اس نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کوئی مدافعت نہ کی۔ پینے کی دعوت پر پہلے انکار ہوا پھر مسکرا کر اقرار۔ دونوں ہوٹل میں چلے گ ئے۔

"نزدیک بیٹھو۔ اتنی دور کیوں ہو؟"

اس نے جنبش کی۔

"اتنی دور؟"

وہ سرک کر کچھ اور قریب آ گئی۔

"اب بھی بہت دور ہو۔"

وہ اور قریب آ گئی۔ اس نے گلاس اس کے ہونٹوں کو لگایا' رقاصہ نے ایک گھونٹ بھر کر اسی گلاس سے اسے پلائی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے نام بتایا۔

"میں نے آج تمہیں کئی مرتبہ دیکھا۔"

"کیا تم سب اجنبی ایک جیسے ہوتے ہو؟ حسین اور چنچل؟"

"سب لڑکیاں؟" وہ اٹھلا کر بولی۔ تم یہاں اور کس کس کو جانتے ہو؟"

"کنیزوں کو؟"

وہ دور جا بیٹھی۔ "کون ہیں وہ؟"

وہ انگلیوں پر گنوانے لگا۔" ایک تم ہو' دوسری تم ہو' تیسری تم ہو' چوتھی پانچویں چھٹی سب تم ہو۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسی اور قریب آ گئی۔" مجھے اپنے ملک کے گیت سناؤ۔"

اور اس نے اپنے ملک کے گیت گا گا کر سنائے۔

آہستہ آہستہ نشہ اتر رہا تھا' طلسم ٹوٹ رہا تھا' رقاصہ کے ہونٹ تھکے معلوم ہو رہے تھے۔ اس کی باتیں ناگوار معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ بہت جلد رقاصہ کو واپس چھوڑ آیا۔ پھر ایک عجیب سی پشیمانی چھا گئی۔ اسے ملامت محسوس ہونے لگی۔ یہ بوسے کتنے پھیکے اور بدمزہ تھے۔ اس عرق کے ذائقے کی طرح کیلے' تلخ' مادام اور رقاصہ دونوں کے بوسے ایک جیسے تھے۔ ان کی باتیں کس قدر عامیانہ تھیں۔ یہ سب کچھ کس قدر گھٹیا اور سستا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں جن کا وہ عادی نہیں تھا' جو ویسے وہ کبھی نہ کرتا۔ وہ سو نہ سکا۔ نیند اچاٹ ہو چکی تھی۔ روح کی تشنگی اور بھی بڑھ گئی۔ زندگی کا یہ تجربہ ناکام رہا۔

راستے میں ایک چوراہے پر اس نے سائن بورڈ پر شہروں کے نام پڑھے۔ ایک نام مانوس معلوم ہوا۔ یاد آیا کہ وہاں کے لیے ایک تعارفی خط تھا۔ کچھ فاصلے پر جنگلات کے محکمے کا ایک افسر رہتا تھا' اس کے نام اس کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ سفر ملتوی کر کے اس طرف چل دیا۔ یہ شخصیت بہت اچھی طرح ملا۔ اس کا بنگلہ گھنے جنگلوں کے وسط میں تھا۔ آس پاس بالکل آبادی نہیں تھی۔ اتنے بڑے جنگل میں صرف دو انسان رہتے تھے۔ وہ اور اس کا ملازم۔ چاروں طرف نہایت خوشنما نظارے تھے' لیکن وہ دو تین دن کے قیام کے بعد تنگ آ گیا۔ وہاں ایسی دلدوز تنہائی تھی کہ ہول اٹھتی تھی۔ اس کے نئے دوست نے بتایا کہ وہ اس جگہ لگا تار دس سال سے ہے۔ ایک مرتبہ اس کا تبادلہ آبادی کے قریب ہوا تھا' لیکن وہ کچھ عرصے کے بعد پھر واپس یہیں چلا

آیا۔ اسے جنگل بے حد عزیز ہیں۔ تنہائی کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ خاموشی پر جان دیتا ہے۔ جب کبھی شہر جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہے۔ وہ کنوارا ہے۔ اس کے عزیز و اقارب بھی ہیں اور ان سے وہ کبھی کبھار ملتا بھی ہے' لیکن زیادہ دیر ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ جنگلوں میں اس کا خوب جی لگتا ہے۔ وہ اپنا کام دل لگا کر کرتا ہے اور پھر خاموشیوں اور تنہائیوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اسے اب کسی کی رفاقت کی خواہش نہیں۔ سب سے دور رہنا چاہتا ہے۔

اس کی باتیں بڑی دلچسپ تھیں۔ شاید اسے غموں سے دو چار ہونا پڑا ہو۔ شاید زندگی نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہو۔ شاید اسے کسی عزیز ہستی نے دھوکہ دیا ہو۔ اس کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ اس نے اپنا قیام طویل کر دیا۔ آخر ایک دن اس نے پوچھ ہی لیا۔

اجنبی نے بتایا کہ نہ تو ناکامیوں کا سامنا ہو اور نہ ٹھوکریں لگیں۔ نہ کچھ اور ہوا۔ بس ایک ذرا سا واقعہ پیش آیا تھا۔ جس نے اس کے خیالات پر اس قدر گہرا اثر کیا کہ وہ بالکل بدل گیا۔ پہلے وہ دوستوں فاور عزیزوں کے بغیر پل بھر بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ محفلوں کی جان تھا۔ احباب کی آنکھوں کا تارا۔ پھر ایک دن اس نے سنا کہ اس کی محبوبہ مر گئی۔ محبوبہ جسے اس نے دل کے معبد میں مدتوں بٹھائے رکھا۔ جس کی برسوں پرستش کی۔ وہ ایک حادثے سے مر گئی۔ اس نے جا کر دیکھا۔ وہ ایک مسلے ہوئے ہار کی طرح پڑی تھی۔ ٹوٹے ہوئے کھلونے کی طرح۔ بے بس اور حقیر۔ پھر جیسے برسوں کی محبت اور پرستش ختم ہو گئی۔ وہ لطیف جذبات ختم ہو گئے۔ تب اسے معلوم ہوا کہ اسے اس کے ہونٹوں سے محبت نہیں تھی بلکہ نگاہوں کے وہ پیغام پسند تھی جو روح میں بجلیاں بھر دیتے تھے۔ اسے ہر گز اس سے الفت نہیں تھی۔ نہ جانے اسی کیا شے عزیز تھی وہ کسی غیر مرئی شے پر مفتون تھا اور وہ شے زندگی تھی نہ حسن۔ وہ بجلیوں کی چمک تھی' لپکتے ہوئے شعلوں کی تڑپ تھی۔ ایسی شے جو محسوس کی جا سکتی ہے چھوئی

نہیں جا سکتی۔

اس کے سامنے جو جسم پڑا تھا وہ بے جان اور کریہہ تھا۔ اس نے نفرت محسوس کی۔

اس کے بعد نہ جانے کیا ہوا' وہ تنہا رہنے لگا۔ اسے حسن سے دلچسپی رہی' لیکن مستقل طور پر نہیں۔ طویل عرصے تک وہ اپنے کام میں منہمک رہتا۔ جب جنس لطیف کی رفاقت کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگتی تھی تو چھٹی لے کر شہروں میں نکل جاتا' جہاں وہ کچھ عورتوں کو جانتا تھا۔ واپس آ کر ایک طویل عرصے کے لیے سب کچھ بھلا دیتا۔ اس کے خیال میں عورت کی رفاقت ضروری تھی' لیکن ہر وقت نہیں۔ محض کبھی کبھی۔ ہر وقت کی رفاقت سے انسان اکتا جاتا ہے۔ اس کی ذہنی نشوونما پر برا اثر پڑتا ہے۔

"مگر یہ تنہائی؟"۔

"اتنے دنوں متواتر تنہا رہ کر اب میں تنہائی کو سمجھنے لگا ہوں اور وہ مجھے اب ہم ایک دوسرے کی زبان سمجھتے ہیں۔ اب مجھے پرندوں اور جانوروں کی زبان آتی ہے۔ درختوں' ہواؤں اور چاند تاروں کی زبان آتی ہی۔ جب چیڑ کے درختوں میں سے ہوائیں گزرتی ہیں تو میں گھنٹوں سنتا رہتا ہوں۔ جب پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھوتے ہوئے بادل مختلف شکلیں بناتے ہیں تو جان جاتا ہوں کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ صبح صبح جب ننھی ننھے پرندے دریچوں میں چہچہاتے ہیں تو ان کی ایک ایک بات سمجھتا ہوں۔ پھول کھلتے ہیں تو شہد مکھیاں آ کر بہار کے نغمے سناتی ہیں۔ جب جنگل سو جاتا ہے تو خاموشی میں رات کی ہزاروں آنکھیں مجھے تکتی ہیں۔ میں تاروں کو دیکھتا رہتا ہوں اور وہ مجھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میں محفل میں بیٹھا ہوں۔ رات کی گہری خاموشی میں میں نے طرح طرح کی صدائیںف سنی ہیں' ایسی صدائیں جنہیں صرف انتہائی خاموشی پیدا کرتی ہے۔ کئی مرتبہ یہ صدائیں میرے دل سے نکلی ہیں۔ بار ہا خاموشیوں میں میں نے اپنی روح کے تخلیق شدہ نغمے سنے ہیں۔ ہر صبح پرندوں کی سیٹیاں مجھے جگاتی ہیں۔ پرندے میرے تکیے پر آ بیٹھتے ہیں۔ ان رفیقتوں کے علاوہ میری لائبریری بھی ہے جہاں کئی پرانے دوست ہر

وقت منتظر رہتے ہیں۔ جب میں پائپ سلگا کر کتابوں کی الماریاں کھولتا ہوں تو ادبی محفلیں جمتی ہیں۔ میرے محبوب شاعر مجھے اپنی نظمیں سناتے ہیں۔ اپنے پسندیدہ مصنفین سے بحث کرتا ہوں۔ میری تنقید پر وہ برا نہیں مانتے۔ دوران گفتگو میں اونگھنے لگوں یا سو جاؤں تو وہ اٹھ کر چلے نہیں جاتے' اور وہ ہر وقت میرے منتظر رہتے ہیں کون کہتا ہے کہ میں تنہا رہتا ہوں۔"

رخصت کرتے وقت اس نے راستے میں آنے والے ایک مقام کا ذکر کیا' جہاں تہوار جشن منایا جا رہا تھا۔ ایک تعارفی خط دیا اور اصرار کیا کہ وہ ضرور وہاں قیام کرے۔
اگلے روز وہ پہنچا۔ شہر سے باہر پہاڑی پر باغوں میں جشن ہو رہا تھا۔ آج جشن کی آخری رات تھی۔ اس کا میزبان شام کو اسے ساتھ لے گیا۔ جب وہ پہاڑی پر پہنچا تو اسے یوں معلوم ہوا جیسے پریوں کے ملک میں پہنچ گیا ہو۔ بادام' شفتالو اور سیب کے درخت سفید اور گلابی کلیوں سے لدے ہوئے تھے۔ سوکھی سوکھی ٹہنیوں پر یہ حسین کلیاں نہایت پیاری معلوم ہو رہی تھیں۔ پھولدار پودوں میں رنگ برنگے قمقمے روشن تھے۔ روشوں کے ساتھ ساتھ گلاب کھلا ہوتا تھا۔ قسم قسم کا گلاب۔ سرخ' زرد آبی' سفید' سیاہی مائل۔
سرد کے اونچے درختوں کی قطاریں دور دور تک چلی گئی تھیں۔ ہوا کا ہر جھونکا اپنے ساتھ ایک نئی خوشبو لاتا۔ کبھی کلیوں سے' کبھی پھولوں سے کبھی کسی پیراہن سے۔
باغوں کے وسط میں نازک ستونوں اور نفیس محرابوں کی ایک سبک عمارت تھی جہاں سب جمع تھے۔ ایک گوشے میں سازوں پر دھن بج رہی تھی۔ تعارف ہوا۔ اسے بطور اجنبی دوست پارٹی میں شامل کر لیا گیا۔ ایک خاتون آئیں اور اسے نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے گروہ میں لے گئیں جہاں کھیل ہو رہے تھے۔ سب اس اجنبی کو حیرت سے دیکھنے لگے جو باوجود غیر ملکی ہونے کے ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔ گروہ میں شمالی حصوں کی لڑکیاں لڑکے بھی تھے جن کے خدوخال مختلف تھے' زبان مختلف تھی۔ سرو کی قطاروں میں سے گزر کر آگے میدان تھا' جس میں سنگ مرمر کا ایک مجسمہ تھا۔ مجسّمے کے شانے

پر صراحی تھی جس سے فوارہ رواں تھا۔ قمقموں کی روشنی میں پانی کے قطرے مختلف رنگوں میں رنگے جاتے اور نہایت پیاری آواز کے ساتھ نیچے گرتے۔

پہلے تاش کے کھیل ہوتے رہے۔ پھر سازوں کے کھیل شروع۔ وہ اجنبی تھا اور نگاہوں اور توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اسے بہت سی مسکراتی ہوئی نشیلی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ آنکھیں حسین تھیں' مگر سب ایک جیسی تھیں۔ دمکتے ہوئے چہرے بھی ایک جیسے تھے۔ پھر وہ آنکھیں اس کی طرف اٹھیں۔ ان نگاہوں میں عجیب نرالا پن تھا۔ اس چہرے میں عجب کشش تھی۔ ان لٹوں میں انوکھی جاذبیت تھی۔ لیٹن جوما تھے پر پریشان تھیں' شانوں پر پریشان تھیں۔ وہ رسیلے گلابی ہونٹ جو صرف چومنے کے لیے تخلیق ہوئے تھے۔ وہ اجلی پیشانی اور رخسار جو صرف پیار بھرے لمس کے لیے بنے تھے۔ تیز جھونکا آیا' لٹیں بکھر گئیں اور کانوں میں پہنے ہوئے ستاروں کے وضع کے آویزے چمکنے لگے۔ اس نے باتیں کرنی چاہیں جو اب ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لا۔ وہ اس کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔ اگلے کھیل میں وہ پارٹنر بنے۔ درختوں میں بھاگتے ہوئے دور چلے گئے۔ فوارے کے پاس اس نے جان بوجھ کر دیر لگا دی اور اسے غور سے دیکھا۔ یہ کیسا حسن تھا۔ یہ کیسی دلربائی تھی۔ اس حسن سے تو وہ پہلے بھی آشنا نہیں ہوا۔ یہ اجنبی حسن جس میں ہزاروں شعلوں کی تپش تھی اور چاند کرنوں جیسی ملائمت۔ سپیدہ سحر کی نفاست۔ کنول کے پھولوں کا نستعلیق پن۔ اس حسن میں صحراؤں میں یکایک نظر آ جانے والے سراب کی کشش تھی۔ شاید اسے نظر بھر دیکھنے کے لیے اس نے اتنا طویل سفر کیا تھا۔ جب وہ واپس لوٹے تو بہت سی لڑکیاں باغ کے دوسرے گوشے سے آ گئیں اور وہ اس ہجوم میں اوجھل ہو گئی۔ تلاش کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ وہ ایک گوشے میں کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اگلے کھیل کے لیے پارٹنر چنے جا رہے تھے۔ سب کو کہا گیا کہ باغ میں دور دور نکل جائیں۔ ہر ایک اپنے لیے ایک پھول توڑے۔ جن جن کے پھول ایک سے ہوں گے وہ پارٹنر بن جائیں گے۔ وہ لڑکیوں کے ساتھ چلی گئی

جب لوٹی تو پاس سے گزرتے ہوئے ایک پھول اس کی طرف پھینک گئی۔ جب پھول پیش کیے گئے تو اس کا پھول نیلے رنگ کا تھا اور سارے پھولوں میں صرف ایک اور پھول اس قسم کا تھا۔

تاروں کو گننے کا کھیل شروع ہوا۔ اس نے پھر باتیں کرنی چاہیں' لیکن سر کی جنبش سے جواب ملا کہ وہ اس کی زبان نہیں سمجھتی۔ اسے مقامی زبان بھی نہیں آتی تھی۔ اسے کھیل کی ہدایتیں کسی اور زبان میں دی جاتی تھیں۔

درختوں میں چلتے چلتے وہ دور نکل گئے۔ اتنی دور جہاں قمقموں کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جہاں موسیقی کی آواز اتنی مدھم ہو چکی تھی کہ محض تخیلی شے معلوم ہوتی تھی اس کی پیشانی پر زلفیں پریشان تھیں۔ بل کھاتی ہوئی لہراتی زلفیں جن میں دو تاروں جیسے آویزے چمک رہے تھے۔

اور آسمان سے تارے جھانک رہے تھے۔ سرو کی چوٹیوں سے اٹکے ہوئی تارے' پتوں اور ٹہنیوں میں الجھے ہوئے ٹمٹماتے' جگمگاتے تارے۔ نیلے' سبز' سرخ' گول' نوکیلے تارے۔ ننھے منے اور بڑے بڑے تارے' جو ساکن تھے جو متحرک تھے۔

لب خاموش تھے اور آنکھیں گویا تھیں۔ آنکھیں محسوس کر رہی تھیں۔ وہ احساسات جو زبان سے ادا نہیں کیے جا سکتے جنہیں صرف موسیقی ادا کر سکتی ہے۔ موسیقی جو دھیمے سروں مین نغمہ زن تھی' موسیقی جو آسمانی معلوم ہوتی تھی۔

تب اس کے اجڑے ہوئے دل میں محبت پیدا ہوئی۔

کئی مرتبہ وہ ہجوم میں شامل ہوئے۔ کھیلوں میں شریک ہوئے۔ پھر واپس کنجوں میں لوٹ آئے۔ فوارے کے قریب سے گزرے۔ مجسمہ مسکرا رہا تھا۔ پھواریں رنگ برنگے قطروں میں بکھری جا رہی تھیں۔

رباب کے تار سانس لے رہے تھے۔ نغمے کی دھڑکن سنائی دینے لگی۔ موسیقی زندہ ہو گئی تھی۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی زبان نہیں آتی تھی۔ پھر بھی نگاہوں نگاہوں

میں جی بھر کے باتیں ہوئیں۔ زندگی بھر کی کہانیاں ایک دوسرے کو سنائیں۔ اب وہ اجنبی نہیں رہے تھے۔

اس کے ذہن میں طرح طرح کے نقوش ابھرنے لگے۔ ایک خوشنما گوشہ' چھوٹا سا مکان' چمنی سے نکلتا ہوا۔ دھواں' سکون اور یہ چہرہ۔ پھر صبح کا ہنگامہ' غنچوں کی چٹک' خنک ہوائیں' خوش الحان طیور کی نغمہ سرائی اور یہ چہرہ معطر چاندنی راتیں' خاموشیاں' تنہائیاں اور یہ چہرہ

چہرہ جو عمر بھر دعوت نظارہ دیتا رہے جس کی دلاویزی اور دلبربائی کبھی کم نہ ہو۔ کاش کہ یہ خواب حقیقت بن جائے۔ یہ سیل تھم جائے جس کی خاموشی میں اتنا جادو ہے اس کی گویائی کیسی ہو گی۔

مدتوں کے بعد اس کی روح کے ویرانے میں بہار آئی۔ جو شعلہ برسوں سے بجھا ہوا تھا آج بھڑکا۔ ظلمتوں کے افق پر معصوم محبت طلوع ہوئی۔ نور عود کر آیا۔

محبت کے شدید احساس کے ساتھ مستقبل کے پیارے خواب' رنگین تعبیریں' سہمی ہوئی امگنیں' وہ سب سحر کاریاں بھی عود کر آئیں۔ اسے عجیب عجیب خوش گوار حادثوں کی توقع تھی۔ جیسے نگاہوں کے یہ پیغام کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اب یہ چہرہ اوجھل نہیں ہو گا۔ تپتے ہوئے صحراؤں میں جو کبھی کبھی سراب دکھائی دیا کرتا تھا۔ آج حقیقت بن گیا تھا۔ آج اس نے سراب کو پا لیا تھا۔

تارے جھانکتے رہے۔ رباب پر وہ آسمانی دھن بجتی رہی خوشبوئیں مچلتی رہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر نئے کھیلوں کے لئے بلایا گیا۔ وہ کچھ دیر کے لیے جدا ہو گئی۔ چلتے چلتے اس نے ایک دفعہ مڑ کر دیکھا۔ اس نے کھیل میں شرکت نہیں کی اور انتظار کرتا رہا۔ کھیل کے اختتام پر وہ واپس نہ لوٹی۔ وہ منتظر رہا لیکن وہ نہ آئی۔ لمحے گزرتے گئے۔ دیر ہو گئی۔ وہ اب بھی نہ آئی۔

اس نے باغ کے گوشے گوشے میں تلاش۔ ہجوم میں ڈھونڈا۔ اپنے میزبانوں سے پوچھا‘ لیکن وہ نہ ملی۔

پھر اس نے دیکھا کہ رات ڈھل چکی ہے۔ جشن ختم ہونے والا ہے اور لوگ جا رہے ہیں۔ آنکھوں میں جستجو اور دل میں امید وبیم لیے وہ بدستور تلاش کرتا رہا۔ پہاڑی کے نشیب سے جب وہ باغ میں واپس آیا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ سب جا چکے تھے۔

وہ درختوں کے جھنڈ میں گیا۔ لمبے لمبے تنہا درخت اداس کھڑے تھے۔ فوارہ خاموش تھا۔ پانی کی بوندیں صحراہی سے گز رہی تھیں۔ پانی کے یہ قطرے مجسّمے کی آنکھوں سے بہتے ہوئے رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مجسمہ رو رہا ہو۔

دفعتہً اسے اپنا خواب یاد آ گیا۔ خواب جسے وہ مدتوں سے دیکھتا آیا تھا۔ اس دھندلی سی پگڈنڈی پر ملنے والی حسینہ کے خدوخال بالکل ایسے ہی تو تھے۔ یہ وہی تو تھی جو ویرانیوں میں کچھ دیر کے لیے مل کر جدا ہو جاتی تھی۔ اس کا دل تلملانے لگا۔

خدایا یہ ابھی کون ملا تھا۔ یہ ابھی کون جدا ہوا تھا۔ یہ خواب تھا یا حقیقت یہ کیا تھا؟ اس اجنبی آسمان کا کوئی فسوں؟ ان پراسرار خوشبوؤں کا جادو؟ یا موسیقی کا طلسم؟ وہ فسوں کہاں گیا۔ وہ موسیقی کہاں گئی۔ وہ خوشبوئیں کیا ہوئیں۔ وہ خوابوں کی حسینہ کہاں گئی۔

اس نے پچھلی رات کے زرد چاند کو نکلتے دیکھا۔ تاروں کی شمعیں مدھم ہوتی دیکھیں۔ پھیکی افسردہ چاندنی پھیلتی گئی۔ ہلکی ہلکی دھند کہیں سے آ کر چھا گئی۔ بادلوں کے گالے اڑے جا رہے تھے۔ پھر تنہائی نے اسے گھیر لیا۔ وہ تنہائی جس سے سیاح آشنا ہوتے ہیں۔ جو دبے پاؤں آتی ہے اور دفعتہً دبوچ لیتی ہے۔ خلوت ہو یا محفل جس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔

اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح خیالات کا رخ بدل سکے۔ اپنے آپ کو بہلایا

بھی کہ ابھی کچھ دیر میں سورج نکلے گا' روشنی پھیل جائے گی۔ چاروں طرف چہل پہل ہو گی۔ وہ نئی نئی چیزیں دیکھے گا یا وہ سرحد کی طرف لوٹ جائے گا اپنے وطن چلا جائے گا' جہاں وہ سب کچھ بھول جائے گا۔ اور سورج نکلنے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔
لیکن تنہائی بڑھتی گئی وہ اداسی گہری ہوتی گئی۔ شدت غم سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ کیوں اس طرح مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ کون سی بے چینی ہے' کون سا کرب ہے جو اسے سیاحت پر مجبور کیا کرتا ہے۔ کس درد کو وہ دل میں چھپائے یوں آوارہ پھرتا ہے۔ سکون سے وہ کیوں خوفزدہ ہے۔ آخر یہ فرار کیوں؟ اور یوں کب تک ہو گا؟۔
وہ اس شور مچاتی متحرک دنیا کا ایک بے حس جزو کیوں نہیں بن جاتا۔ وہ اس انبوہ کثیر میں کیوں نہیں شامل ہو جاتا۔ کیا شے ہے جسے وہ یوں ڈھونڈتا پھرت اہے وہ اتنے انسانوں کو جانتا ہے' لیکن ان میں کوئی اس کا ہمدم و رفیق بھی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے وہ اپنی کہہ سکتا ہو۔ وہ ہمیشہ سراب کی تلاش میں رہا۔ ہمیشہ سراب اسے کھینچتا ہے۔ یہ کیسی کشش ہے؟
نشیب میں شہر کی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ دھند نیچے اتر آئی۔ روشنیاں مدھم ہو کر چھپ گئیں۔ بادلوں سے بے نور چاند نکلا اور بے نور تارے جھانکنے لگے۔ دھند میں طرح طرح کے سائے پھیل گئے۔ ہیولے متحرک ہو گئے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس سیارے کا پہلا انسان ہے۔ جیسے وہ اس سیارے کا آخری انسان ہے۔ وہ انسان جو تخلیق کو فنا سے ملاتا ہے۔ انسان جو صدیوں سے تنہا ہے' صدیوں سے بے تاب ہے۔
اس نے دیکھا کہ سامنے افق پر بادلوں نے ایک خوشنما قصر بنا کر رکھا ہے جس کی فصیلیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مینارے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں' قصر کے بڑے دروازے تک بل کھاتا ہوا راستہ جاتا ہے۔ بادلوں کے کناروں کو چھوتا' حاشیوں کے ساتھ ساتھ چلتا' دھند میں سے گزرتا ہوا۔
اسے یاد آ گیا یہی قصر تو اس نے خوابوں میں دیکھا تھا ہو بہو یہی تو تھا۔ کوئی چیز اس کے دل کو مسوسنے لگی۔ اس کی روح میں چٹکیاں لینے لگی۔ وہ اداسی شدید تر ہوتی گئی۔

دفعتاً بادلوں نے جنبش کی۔ قصر میں شگاف آ گئے۔ برج منہدم ہو گئے۔ فصلیں مسمار ہو گئیں۔ بل کھاتا ہوا راستہ شق ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے عمیق گہرائیوں میں اترتا جا رہا ہے ایسی فضاؤں میں جہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ جہاں صرف دلدوز تاریکی تھی۔

****

دُعاگو

شاھدریاض

shahid.riaz@gmail.com